ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



ناشر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد ۲۴ نمبر

رمضان وشوال ۱۴۳۹ھ / جون ۲۰۱۸ء

شمارہ نمبر ۳

زرتعاون

فی شمارہ —— ۱۵/روپے

سالانہ زرتعاون —— ۱۵۰روپے

بیرون ملک سالانہ —— ۲۵ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

◯ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

فضلاء مدارس سے چند گذارشات

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مدارس دینیہ برصغیر ہندوپاک میں اسلام کی بقااور دینی شعائر کو برقرار رکھنے کے لیے دور حاضر میں سب سے کارگراور مفید دینی ادارے ہیں ، اسلام کی جو شکل اس وقت ہندوپاک میں ہمارے سامنے ہے وہ دراصل انھیں مدارس اسلامیہ کا فیضان ہے، اگر یہ دینی مدارس اوراسلام کے مضبوط قلعے نہ ہوتے تو یقیناً زمانے کی مسموم فضاؤں سے متأثر ہو کر یہ گلستانِ سدا بہار بھی خزاں آشنا ہو چکے ہوتے ، دین اوراسلام کی اصلی اور صحیح سچی تصویر ہندوپاک سے ناپید ہو چکی ہوتی ۔

دینی مدارس نے دینی علوم کے فروغ اور معاشرے کی اصلاح کے لیے ہر دور میں انتہائی محنت اور جستجو کے ساتھ اپنی ذمے داریوں کو نبھانے کی بھرپور کوشش کی ہے، معاشرے نے بھی اعتماد کرتے ہوئے بچوں کی ایک بڑی تعداد دینی مدارس کے سپرد کی۔

دینی مدارس اپنے قیام سے اب تک ایک ہی مقصد کے لیے سرگرم عمل ہیں کہ انسانی معاشرہ کا تعلق وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات کے ساتھ جڑا رہے اور زمین پر بسنے والے سب لوگ اپنی زندگی آسمانی تعلیمات کی روشنی میں وحی الٰہی کی ہدایات کے مطابق بسر کریں، تا کہ انسانیت پوری آسودگی کے ساتھ فطری تقاضوں کے مطابق پروان چڑھے۔

لیکن آج بڑے شد و مد کے ساتھ یہ واویلا اور شور کیا جاتا ہے کہ مدارس اسلامیہ جو افراد تیار کر رہے ہیں وہ معاشرہ میں اپنا صالح کردار نہیں پیش کر رہے ہیں ، امت کو ان فضلاء مدارس سے جو توقعات ہیں وہ ان میں پورے نہیں اتر پارہے ہیں ، ماضی میں مدارس اسلامیہ نے جو معاشرتی استحکام اور قوم وملت کے وقار وافتخار میں جو شاندار اضافہ کیا ہے وہ

اب ان نئے فضلاء مدارس کے ذریعہ نہیں ہورہا ہے۔

کہنے والوں کی یہ بات کتنی درست ہے اور اس میں حقیقت کا کتنا عنصر ہے یا سب افسانہ ہی افسانہ ہے یہ ایک الگ موضوع ہے تاہم یہ بات واضح ہے کہ اگر مدارس میں خوداحتسابی کا عنصر باقی ہو اور اپنی کمزوریوں کے ادراک اور تدارک میں تساہل نہ برتا جائے تو اس کے امتیاز اور نظریہ کو دنیا کی کوئی طاقت بہ زور ختم نہیں کرسکتی اور ان اداروں کی پروردہ آئندہ نسلیں ماضی سے زیادہ میدان سنبھالنے کی اہل ہوں گی۔

مدارس دینیہ سے ابھی ابھی فضلاء کی ایک بڑی تعداد نکلی ہے، ماحول اور معاشرہ میں اپنا مقام و مرتبہ اور علمی وقار پیدا کرنے کے لئے فضلاء کی یہ جماعت ابھی منصوبہ سازی میں ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خدمت میں چند گذارشات پیش کی جائیں، امید ہے کہ ان کی اہمیت محسوس کی جائے گی۔

۱— ہم جس ماحول میں جی رہے ہیں یہ اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی نہیں، اسلامی اقدار: دیانت، امانت، فرض شناسی، حیا، عدل وانصاف اور ایثار و مروت وغیرہ کی معاشرتی اور ملکی سطح پر پامالی مُشاہَد ہے، اس لئے روحانی اقدار کو غلبہ دیا جائے جس سے عصر جدید کے مادی وحسی تمدن سے مقابلہ کے لیے عمل کی وہ قوت حاصل کی جاسکتی ہے جو مدرسہ سے حاصل شدہ علم کے عین مطابق ہوگی، لیکن اس ماحول میں فاضل کے لیے اپنے علم (قرآن وحدیث) اور عمل کے اندر کامل مطابقت پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے۔

ہمارے فاضل کو معاشرہ میں اپنا مؤثر کردار ادا کرنے کے لیے علم وعمل کی مطابقت کا جو معرکہ سر کرنا ہے اس کا واحد ذریعہ ''تزکیۂ باطن'' ہے، سنت اللہ یہی ہے کہ اس کا حصول اہل اللہ کی صحبت کے بغیر مشکل ہے۔

۲— فاضل کے پیشِ نظر یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ مدارس سے حاصل شدہ معلومات

اور استعداد پر قناعت اپنے ساتھ بڑا دھوکہ ہے۔ ہمارا نصاب ''عالم'' نہیں بناتا، بلکہ علم کی ''راہ'' کھولتا ہے، اس کو پڑھ کر اپنے تئیں عالم باور کرانا ''جہل'' ہے، نصاب میں جن علوم وفنون کو پڑھا ہے ان کے مزید مطالعہ کا معمول اور جن کے پڑھنے کی استعداد پیدا ہوئی ہے، ان کا بلا تاخیر حصول اولین اہداف میں سے ہونا چاہیے۔

۳- جدید فاضل کے لیے بہترین علمی صلاحیت کی افزائش کے ساتھ اپنے اندر ''داعیانہ صفات'' کی تشکیل بھی از حد ضروری ہے، داعی میں جس لگن، محنت، تڑپ اور فکر کا پایا جانا ضروری ہے، عموماً ہم اس سے محروم رہتے ہیں۔

۴- اس وقت علمی وعملی فتنوں کی بہتات ہے، جدید فاضل کے سامنے آئے دن نئے نئے افکار وخیالات آئیں گے، ان فتنوں سے بچاؤ کا واحد راستہ جمہور سلف کے فہم دین پر اعتماد ہے، اس لئے کہ متجددین ایسے فضلاء کی تاک میں رہتے ہیں جو تحقیق کے نام پر خودرائی کا شکار ہوسکیں اور سلف پر عدم اعتماد کی برملا جرأت کرسکیں، حالانکہ جولوگ علم وتحقیق کے نام پر جمہور سلف سے جداگانہ راہ اختیار کیے بیٹھے ہیں، ان کی کوئی فکر نئی نہیں، بلکہ یہ بھی تاریخ کے ان آوارہ فکر افراد یا طبقات کی آراء کی جگالی کر رہے ہیں، جنہیں امت کا اجتماعی ضمیر بہت پہلے رد کر چکا ہے، بس! ان کے افکار کو نیا لبادہ پہنانے کی کاوش ضرور اُن کی ہے۔

۵- ہمارے فاضل کو یہ بھی مسئلہ درپیش رہتا ہے کہ اس نے دینی خدمات کا اپنا ایک دائرہ مقرر کیا ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور دینی کام یا محنت کے لیے اس کی طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، بلکہ بعض اوقات دیگر کاموں سے استخفافی رویہ برتا جاتا ہے، مثلاً: مدارس کے کثیر طلبہ ''تدریس'' ہی کو اصل کرنے کا کام سمجھتے ہیں اور اس مغالطہ کا شکار رہتے ہیں کہ اگر تدریس نہ ملی تو ان کی استعداد ضائع ہوگی اور یہ ''محرومی'' کی علامت ہوگی، حالانکہ مطالعہ کی وسعت اور استعداد کی بقاء وحفاظت کا تعلق ذاتی ذوق وشوق اور علمی ماحول کے قیام پر ہے، تدریس بہترین علمی خدمت ہے، تاہم اس

کا دائرہ انتہائی محدود ہے، اس کی نسبت امامت اور مسجد کو اپنی دینی سرگرمیوں کا مرکز بنانا زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے، اسی طرح عامۃ الناس کے لیے مفید دینی تعلیمی پروگرام، درسِ قرآن وحدیث، خطابت اور دعوت وتبلیغ کی محنت بھی فاضل کے پیش نظر رہنی چاہیے، ان میں سے کل وقتی کوئی کام میسر نہ ہو تو حلال روزگار کی کوشش کے ساتھ جزوقتی سرگرمی اختیار کی جائے اور اُسے غنیمت سمجھا جائے، اس کے ساتھ کسی ماہر استاذ کی نگرانی میں اپنے مطالعہ کو مسلسل وسعت دی جائے۔

٦ — اکابر ومشائخ پر مکمل اعتماد رکھیں اور اختلافی مسائل میں جمہور امت کا دامن نہ چھوڑیں۔

اکابر کے ساتھ کسی مسئلہ میں رائے کا اختلاف ہو تو اپنی رائے پر اکابر کی رائے کو ترجیح دیں، اس وقت سلف بیزاری کی مسموم فضاء زوروں پر ہے ہر شخص اپنی تحقیق کا پٹارا کھولے ڈگڈگی بجا رہا ہے، اس لیے اہل حق علماء سے رشتہ مضبوط رکھیں اور فکری، اعتقادی، فقہی مسائل میں نئی آراء کو داخل کرنے کے بجائے اکابر کی تحقیقات پر یقین رکھیں۔

۷ — دینی مدارس میں علومِ نبوت کے حصول کے بعد معمولاتِ نبوت کے حصول کے لیے خانقاہوں میں اہل اللہ کی صحبت میں کچھ وقت ضرور گزاریں۔

یعنی کسی اللہ والے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں اصلاحی تعلق قائم فرمائیں اور علم حدیث میں جیسے آپ کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اسی طرح کسی شیخ طریقت سے بیعت ہو کر روحانی سلاسل میں اپنی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مضبوط بنائیں۔ اس کے فوائد واثرات آپ اپنی عملی زندگی میں محسوس فرمائیں گے۔

۸ — اگر آپ محقق، سکہ بند، پختہ علم اور بالغ نظر عالم بننے کے خواہاں ہیں تو تشدد کی بجائے تسدّد اور تعصب کی بجائے تصلّب والا مزاج بنائیں۔

۹ — یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ معاشرہ میں مولوی کا مقام زوال پذیر ہے، اس کا ایک بڑا سبب ہمارے طبقہ میں دینی کاموں کی ترقی کے لئے معاشرہ سے ''مالی طمع'' کا تعلق

ہے، جبکہ علم اور مالی طمع کا باہم کوئی جوڑ نہیں اور اسی جوڑ کو قائم کرنے کی کوشش ذلت وخواری سے دوچار کردیتی ہے، دینی کاموں کا دائرہ اتنا ہی رکھنا چاہیے جس کے لیے اپنے منصب کے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے وسائل مہیا کیے جاسکیں۔

۱۰– جدید فاضل کو اپنے مقام واحترام کے حصول کے لیے معاشرہ اور متعلقین سے توقعات رکھنا بھی زیب نہیں دیتا، اس طرح کا جذبہ رکھنے والے ہر وقت اس خوف کا شکار رہتے ہیں کہ کہیں ان کی ''مقبولیت'' کم یا متاثر نہ ہو، ایسے لوگ اپنے اور معاشرہ کے درمیان خلیجوں کو جنم دیتے ہیں، وہ اکابر علماء کے احترام ومقام کو تو دیکھتے ہیں لیکن اس کی پشت پر طویل مجاہدات کو نہیں دیکھتے، ان کی حالیہ زندگی دیکھ کر ان کی نقالی شروع کردینا کم ظرفی کی علامت ہے۔

جدید فاضل کو اپنے مقام واحترام کی کوئی توقع معاشرے سے وابستہ نہیں کرنی چاہیے اور نہ اس نیت سے کام کرنا چاہیے، خلوص وللّٰہیت کے ساتھ جہد مسلسل کی خُوڈالنی چاہیے، ان شاء اللہ! محنت ومجاہدہ سے یہ سارے مراحل فطری طور سے طے ہوں گے اور دینی ودنیوی مقبولیت قدم چومے گی۔

معاشرہ کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے لئے – جیسا کہ اسلام کے فرزندوں نے ماضی میں کی ہے – عزم پیہم اور جہدِ مسلسل سے گزرنا ہوگا، یہ داستانِ عزم ووفا بڑی دشوار گزار قربانیوں کی متقاضی ہے، جب تک اس مشن کے حامل ووارث، علم وعمل سے مزین ہوکر مخلصانہ مساعی بروئے کار نہیں لائیں گے، اس وقت تک اُنہیں مطلوبہ نتائج کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے۔

یوں بھی کوئی شخص محض تعلیم سے ہی انبیا کی وراثت پر فائز نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کیلئے خصوصی مجاہدہ اور تربیت کی ضرورت ہے، اس لحاظ سے فضلائے مدارس کو عام فضلاء کی طرح معاشرہ سے توقعات وابستہ رکھنے کی بجائے اپنی اعلیٰ ترین منزل کیلئے اپنے علم وشعور اور اخلاق وکردار کو بہتر سے بہترین کرنا ہوگا اور اس جادۂ حق کے رہ نورد بن کر عظیم ترین منزل کی طرف پیش قدمی کرنی ہوگی۔

درسِ قرآن

شب قدر! فضائل واعمال

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَا أَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ. لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ.
تَنَزَّلُ الْمَلآئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

بے شک ہم نے قرآن پاک شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیسی ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے! اترتے ہیں اس میں فرشتے اور روح، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر، یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے اور طلوع فجر تک رہتی ہے۔ (بیان القرآن، ۱۲/۱۱۱)

تشریح وتوضیح: اس سورت شریفہ میں سوال وجواب کے انداز میں ''شبِ قدر'' کی عظمت سے انسان کو واقف کرایا گیا ہے کہ: ایک ہزار مہینے یا ۸۳ تراسی برس کی عبادت بھی اس ایک رات کی عبادت کی برابری نہیں کرسکتی۔

وجہ تسمیہ: اس رات کو ''شبِ قدر'' کیوں کہتے ہیں؟ اس کی دو وجہ بیان کی جاتی ہیں:

(۱) ''شبِ قدر'' فارسی لفظ ہے، جس کے معنیٰ یا تو تقدیر کی رات کے ہیں، اس لئے کہ بقول قتادہ اس رات میں ہر آدمی کا رزق وروزی مقرر کیا جاتا ہے، عمر لکھی جاتی ہے، ہر طرح کے فیصلے لکھ کر ذمہ دار فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں، ''لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُقَدِّرُ فِيْهَا مَا يَشَاءُ مِنْ أَمْرِهٖ'' اس لئے اسکو شبِ قدر کہتے ہیں۔ (القرطبی ۲۰/۱۳۰)

(۲) قدر کے معنی عزت وعظمت اور شرافت کے ہیں اور بقول ابوبکر ورَّاقؒ اس رات میں جو کتاب (قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) اتاری، وہ بھی قابلِ قدر ہے اور جس پیغمبر پر اتاری وہ بھی قابلِ قدر ہے، اور جس امت پر اتاری وہ بھی امتوں میں سب سے

بہتر امت ہے،تو ان قابلِ قدر چیزوں کی وجہ سے اس کو شبِ قدر کہتے ہیں،جس کے معنی ہوئے عظمت والی رات۔(القرطبی ۱۳۱/۲۰)

فضائل شبِ قدر: عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ :اس رات میں رزق، بارش، زندگی، یہاں تک کہ اس سال حج کرنے والوں کی تعداد،لوح محفوظ سے نقل کرکے، فائلیں فرشتوں کے حوالہ کردی جاتی ہیں۔''یُکْتَبُ حَاجُّ بَیْتِ اللّٰہِ''(اَلقرطبی ۱۳۰/۲۰)

اس رات میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر پورا قرآن کریم نازل ہوا۔(مظاہر حق)

اس رات میں آسمان سے بکثرت فرشتے اترتے ہیں جو مؤمنوں کو سلام کرتے ہیں،مصافحہ کرتے ہیں،ان کے لئے دعاء خیر کرتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔''لا یلقون فیھا مؤمنا و مؤمنة إلا سلموا علیه''(تفسیر اَبی السعود ۴۱/۸)

حضرت ابوہریرۃؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے نیز شبِ قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے عبادت کرے،تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس رات میں طلوع فجر تک شیطان نہیں نکلتا اور نہ کسی کو فتنہ وفساد میں مبتلا کرسکتا ہے،''لاَ یَسْتَطِیْعُ أَنْ یُّصِیْبَ فِیْھَا أَحَداً بِخَبْلٍ وَ لاَ بِشَیْءٍ مِّنَ الْفَسَادِ'' دیگر راتوں میں رحمتیں اور برکتیں،آفات اور مصیبتیں دونوں نازل ہوتی رہتی ہیں،مگر شب قدر میں سعادتیں،رحمتیں اور انعامات ربانی کا ہی نزول ہوتا ہے۔''لاَ یُقَدَّرُ فِیْھَا اِلاَّ السَّعَادَۃُ وَ النِّعَمُ''(صاوی ۳۳۶/۴)

شبِ قدر کی علامات: حضرت انسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ : وہ رات نورانی اور چمکدار ہوتی ہے نہ زیادہ گرم، نہ زیادہ ٹھنڈی۔

شب قدر کی صبح کو نکلنے والا سورج چاند کے مانند،شعاؤں و کرنوں کے بغیر طلوع ہوتا ہے۔

سمندر کا کڑوا پانی بھی اس رات میں میٹھا پایا گیا ہے۔''عَذُوْبَۃُ الْمَاءِ الْمِلْحِ''۔

اس رات میں کتے کم بھونکتے ہیں اور گدھے بھی کم بولتے ہیں۔ ”قِلَّۃُ نَبحِ الکِلاَبِ وَنَهِيْقِ الْحِمَارِ“ (صاوی ۴؍۷۳۳)

شبِ قدر کے بارے میں تجربات وقیاسات:

متعین طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ رات کونسی تاریخ میں ہے، البتہ رمضان المبارک اور اخیر عشرہ میں ہونے کا رجحان زیادہ ہے، بعض حضرات نے اپنے تجربات، قیاس، فطری ذہانت کی وجہ سے کچھ تحریر کیا ہے جو افادہ کے لئے پیش خدمت ہے۔

(۱) حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ: شب قدر ستائیسویں رمضان کو ہی ہوتی ہے اور حسن اتفاق یہ کہ سورہ قدر کے کلمات تیس ہیں اور رمضان کے مہینے کی زیادہ سے زیادہ تعداد بھی تیس دن ہے اور سَلَامٌ هِيَ کا (هِيَ) جس سے مراد شب قدر ہے اس کا نمبر بھی ستائیس ہے جس کی وجہ سے بعض حضرات ستائیسویں کے قائل ہیں، ”وَاتَّفَقَ أَنَّ کَلِمَةَ هِيَ تَمَامُ سَبْعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ“ (ایضا)

(۲) قیاس ہے کہ شب قدر کو عربی میں ”لَيْلَةُ الْقَدْر“ کہتے ہیں جس کے حروف نو ہیں اور ”لَيْلَةُ الْقَدْرِ“ اس سورت میں تین بار آیا ہے اور جب تین کو نو میں ضرب دیں گے تو تعداد ستائیس ہی نکلتی ہے ”وَثَلَاثَةٌ فِي تِسْعَةٍ بِسَبْعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ“ (ایضا)

(۳) ابن العربی اور احمد مرزوق وغیرہ کا فرمان یہ ہے کہ: ماہ رمضان کے آخر میں اگر جمعہ اکائی راتوں مثلا ۲۵، ۲۷، ۲۹، میں آرہا ہے تو جمعہ سے پہلی والی رات ہی شب قدر ہوا کرتی ہے۔ ”لاَتُفَارِقُ لَيْلَةً مِّنْ أَوْتَارِ آخِرِ الشَّهْرِ“ (ایضا)

(۴) ابوحسن شاذلی جیسے صاحب کشف وکرامت بزرگ سے منقول ہے کہ: رمضان اگر سنیچر سے شروع ہورہا ہے تو شب قدر ۲۳ ویں شب کی ہوگی، اگر اتوار کے روز شروع ہورہا ہے تو ۲۹ کو، اور اگر پیر کے روز شروع ہورہا ہے تو ۲۱ کو، اگر منگل کے روز شروع ہورہا ہے تو ۲۵ کو، اگر جمعہ کو شروع ہورہا ہے تو ۱۷ کو، ”ضَبَطَهَا بِأَوَّلِ شَهْرٍ مِّنْ أَيَّامِ الْأُسْبُوْعِ“ (ایضا)

شبِ قدر کی دعاء: یہ رات دعاء کی قبولیت کی رات ہے اپنے لئے، دوست واحباب کے لئے، اور والدین کے لئے، تمام گزرے ہوئے لوگوں کے لئے دعاء مغفرت کرنی چاہئے، اورسفیان ثوری کے نزدیک اس رات میں دعاء میں مشغول ہونا سب سے بہتر ہے ''أَلدُّعَاءُ فِيْ تِلْکَ اللَّيْلَةِ أَحَبُّ مِنَ الصَّلوٰةِ'' (روح المعانی) اور دعاؤں میں سب سے بہتر وہ دعا ہے جو حضرت عائشہؓ سے منقول ہے: اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے تو مجھے بھی معاف فرمادے، ''أَللّٰهُمَّ إِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ'' (ترمذی رقم ۳۸۲۲)

شبِ قدر کے اعمال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات میں تلاوت، نماز دعاء وغیرہ منقول ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ بقدر استطاعت، تلاوت نماز وغیرہ میں مشغول رہے، ان سورتوں اور آیتوں کی بھی تلاوت کرے جن کے بارے میں کثیر ثواب کی خوشخبری دی گئی ہے، ''وَيَتَخَيَّرُ مَاوَرَدَفِيْ قِرَاءَتِهٖ كَثْرَةُالثَّوَابِ'' (صاوی ۴/ ۳۳۷)

مثلاً: (۱) سورۂ بقرہ وآل عمران کی آخری آیتیں جن کا پڑھنا ایک رات کی عبادت کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ (ایضاً) (ترمذی ۳۰۹۹)

(۲) آیۃ الکرسی، جس کو قرآن کی افضل آیات ہونے کا شرف حاصل ہے، اور جس کا پڑھنے والا مرتے ہی جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ (صاوی ۴/ ۳۳۷)

(۳) سورۂ زلزال، جس کے پڑھنے کا ثواب آدھے قرآن کے برابر ہے۔

(۴) سورۂ اخلاص، جس کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(۵) سورۂ کافرون، جس کے پڑھنے کا ثواب چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

(۶) سورۂ نصر: جس کے پڑھنے کا ثواب بھی چوتہائی قرآن کے برابر ہے۔

(۷) سورۂ یٰس، جو قرآن کا دل ہے جس کا پڑھنے والا بخش دیا جاتا ہے، اور جس کا پڑھنا دس قرآن کے برابر ثواب رکھتا ہے۔

(۸) بکثرت استغفار پڑھے، نیز ''سُبْحَانَ اللّٰهِ أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کی تسبیحات

پڑھے، ”وَیُکْثِرُ مِنَ الْأَسْتِغْفَارِ وَالتَّسْبِیْحِ وَالتَّحْمِیْدِ وَالتَّھْلِیْلِ“ (صاوی ۴/۷ ۳۳)

(۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ (ایضاً)

(۱۰) اپنے لئے اور دوستوں، رشتہ داروں کے لئے پسندیدہ دعائیں مانگیں۔ (ایضاً)

(۱۱) مُردوں کے لئے بخشش و مغفرت کی دعائیں کریں۔ (ایضاً)

(۱۲) اپنے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، اعضاء وجوارح کی گناہوں سے حفاظت کرے، (ایضاً)

(۱۳) اپنی وسعت وگنجائش کے مطابق صدقہ کرے ”وَیَتَصَدَّقُ بِمَا تَیَسَّرَ لَہٗ“ (ایضاً)

(۱۴) ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ، سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ السَّمٰوٰاتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ“

آدمی کسی بھی رات میں اس کو تین دفعہ پڑھ لے تو اس کو شبِ قدر کے برابر ثواب ملتا ہے، اس لئے اس کو ضرور پڑھیں۔ ”مَنْ قَالَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ کَانَ کَمَنْ أَدْرَکَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ“

(کنز العمال ۲/۱۰۰، رقم ۳۸۶۵، مرسلاً عن الزہری)

ان راتوں میں جس قدر ہوسکے نفل نماز، تلاوت قرآن یا ذکر وتسبیح میں مشغول رہیں، ان راتوں کو جلسوں، تقریروں میں صرف کرنا بڑی محرومی میں داخل ہے، تقریریں تو ہر رات میں ہوسکتی ہیں، لیکن عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔

پیغام:

پہلی امتوں کی عمریں لمبی لمبی ہوتی تھیں، اب دنیا بوڑھی ہوچکی ہے لوگوں کی عمریں بھی کم سے کم تر ہوتی جارہی ہیں، اوسط عمر ۵۵/۶۰ سال بھی کسی کو ملے تو کیا، عمر کے پہلے بیس سال تو لہو ولعب، کھیل کود کی نظر ہوجاتے ہیں، بیس سے چالیس تک زمانہ مضبوطی اور قوت کا ہوتا ہے اور یہ زمانہ دراصل کچھ کرنے کا ہے، اسی زمانہ کی عبادت خدا کو محبوب بھی ہے مگر جوانی، دیوانی ہوتی ہے، اس زمانہ میں آدمی نفس وشیطان، اور ہویٰ وہوس کا بندہ بنا رہتا ہے

،الایہ کہ کسی پر فضل ربانی ہو،صحبت صالحین میسر ہو۔

رہا چالیس سال کے بعد کا زمانہ،تو وہ ہوش کا زمانہ شمار ہوتا ہے،آدمی ذخیرۂ آخرت کرنا چاہتا ہے،مگر اب قویٰ کمزور، کرنا بھی چاہے تو،اَعذار وامراض، کمزوریاں وبیماریاں اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں،اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے لاڈلے حبیب،شہِ دوسرا کی امت کو''شبِ قدر'' سے نوازا گیا ہے کہ ایک رات کی عبادت بھی کسی خوش نصیب،قسمت کے دھنی کو مل گئی تو کم ازکم تراسی سال کی عبادت کا ثواب تو مل ہی گیا۔

اس لئے امت مسلمہ کا فرض ہے کہ اس رات کے حاصل کرنے میں بھرپور کوشش کریں، یہ عطیۂ خداوندی ہے اس کی قدر کریں،انعام ربانی ہے اس کو خوب خوب وصول کریں،اس تحفہ سے محرومی گویا ساری ہی خیر سے محرومی ہے۔

رمضان المبارک،اخیر عشرہ،اکائی راتیں،۲۷ویں شب وغیرہ کو غنیمت جان کر ہاتھ سے نہ جانے دے۔

دعاء ہے کہ باری تعالیٰ اپنے حبیب اور لطفِ عمیم کے طفیل امتِ محمدیہ کے کسی بھی فرد کو اس رات سے محروم نہ فرمائے،''آمِیْن یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِحَقِّ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ''

جھوٹ کا ایک بڑا نقصان

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک عمر میں برکت کا سبب بنتا ہے اور جھوٹ بولنا رزق میں کمی کا سبب بنتا ہے اور دعا تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے۔

''اَلْکِذْبُ یَنْقُصُ الرِّزْقَ''۔(روح البیان، ۹/۲۳۴،سورۃ القمر)

انوارِ حدیث | گذشتہ سے پیوستہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اہم نصیحتیں

چھٹی نصیحت

واعلم ان الامۃ لو اجتمعت علی ان ینفعوک بشیٔ لم ینفعوک الا بشیٔ قد کتبہ اللہ لک، وان اجتمعوا علی ان یضروک بشیٔ لم یضروک الا بشیٔ قد کتبہ اللہ علیک، رفعت الاقلام وجفت الصحف. (اور جان لو کہ اگر پوری قوم (تمام مخلوق) مل کر تمھیں کچھ نفع پہچانا چاہے تو وہ تمھیں نفع نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر فرما دیا ہے اور اگر پوری قوم مل کر تمھیں کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے اوپر لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے)

اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد وتوکل اور ماسوی اللہ سے اعراض کی تعلیم وترغیب دی ہے، یعنی ایک مسلمان کو تمام امور میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اسی کے سامنے اپنی حاجت وضرورت پیش کرنی چاہیے، کیونکہ نفع وضرر کا وہی تنہا مالک ہے، اس کے سوا کسی کو نفع وضرر کا کوئی اختیار نہیں، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو اس بات کا کامل یقین ہونا چاہیے کہ اگر تمام مخلوق مل کر تمھیں کوئی نفع پہنچانا چاہے اور اللہ نے وہ نفع تمہارے مقدر میں نہیں لکھا ہے تو وہ نفع نہیں پہنچا سکتی، اور اسی طرح اگر تمام مخلوق مل کر تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ نے تمہاری تقدیر میں وہ نقصان نہیں لکھا ہے تو تمام مخلوق مل کر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اپنے دل میں پختہ یقین پیدا کرلو کہ سب کچھ اللہ کی مشیت

اوراس کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق ہی انجام پا رہا ہے، اوراس کی تقدیر مبرم میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی اور تغیر نہیں ہوسکتا اوراسی بات کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس جملے میں اشارہ فرمایا ہے: **رفعت الاقلام و جفت الصحف** یعنی تمام تقدیر بہت پہلے لکھی جا چکی ہے اور کتابت سے فراغت کے بعد قلم بھی اٹھا لئے گئے اور صحیفے بھی خشک ہو چکے، لہٰذا اب اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے" **ما اصاب من مصیبة فی الارض ولافی انفسکم الافی کتاب من قبل ان نبراھا" (الحدید:۲۲)** یعنی کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ سب ایک کتاب (لوحِ محفوظ) میں ان جانوں کو پیدا کرنے سے پہلے ہی لکھی ہوئی ہیں۔

اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: **کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السماوات والارض بخمسین الف سنه** (صحیح مسلم کتاب القدر رقم الحدیث ۲٦٥٣) یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوق کی تقدیروں کو لکھ دیا تھا۔

بہرحال تقدیر پر ایمان اور کامل یقین کے بعد قلب میں ایک خاص قسم کا سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے، اور دل سے غیر اللہ کا خوف نکل جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **قل لن تصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولینا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون (التوبہ ٥١)**

آپ فرما دیجئے کہ ہرگز ہمیں نہیں پہونچے گا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے، وہی ہمارا مولی ہے، اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو توکل کرنا چاہیے، اس فرمان الٰہی پر اپنے یقین کی سچائی کا اظہار کرتے ہوئے حق بات برملا کہتا ہے اور احکام خداوندی پر بلا خوف وخطر عمل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کی تقدیر لکھ دی ہے اور اس لکھنے کی اطلاع بھی دے دی ہے اوراس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ: **لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتکم**

واللہ لا یحب کل مختال فخور (الحدید ۲۳) تا کہ جو چیز تم سے جاتی رہے (تندرستی یا اولاد یا مال) تم اس پر (اتنا) رنج نہ کرو (جو حق تعالیٰ کی مرضی کے طلب کرنے اور آخرت کے امور میں مشغول ہونے میں رکاوٹ ہو جائے، اور طبعی تکلیف کا مضائقہ نہیں) اور تا کہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے (اس کی نسبت بھی یہی سمجھ کر کہ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت وفضل سے عطا فرمانا تجویز کر دیا تھا اور اسی نے ہم کو دی ہے) اس پر اتراؤ نہیں (کیوں کہ اترائے تو وہ جس کا استحقاق ذاتی ہو اور جب دوسرے کی مشیت وحکم سے ایک چیز ملی ہے اس پر) اترانے والے شیخی باز کو اللہ تعالی پسند نہیں کرتا۔

یعنی دنیا میں جو کچھ مصیبت یا راحت، خوشی یا غم انسان کو پیش آتا ہے وہ سب حق تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ رکھا ہے، اس کی اطلاع تمھیں اس لئے دی گئی تا کہ تم دنیا کے اچھے برے حالات پر زیادہ دھیان نہ دو، نہ یہاں کی تکلیف و مصیبت یا نقصان وفقدان کچھ زیادہ حسرت وافسوس کرنے کی چیز ہے اور نہ یہاں کی راحت وعیش، یا مال ومتاع اتنا زیادہ خوش اور مست ہونے کی چیز ہے جس میں مشغول ہو کر اللہ کی یاد اور آخرت سے غافل ہو جاؤ (معارف القرآن تفسیر سورہ الحدید ۸ / ۳۱۸)

ایک شبہ کا ازالہ :

اعمال صالحہ میں کوتاہی اور سستی کرنے والے بعض کم ہمت، اور خواہشات کی پیروی کرنے والے بعض فاسق وفاجر اپنی ضلالت ومعصیت، فسق وفجور اور کوتاہی کے لیے تقدیر کا سہارا لیتے ہیں اور بڑی بے حیائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے مقدر میں یہی لکھا ہے۔

تو ان لوگوں کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور باطل ہے اسی لیے کہ جس اللہ نے ہمیں قضا وقدر پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اسی نے ہم کو یہ بھی حکم دیا ہے :**اعملو افسیر اللہ عملکم** (التوبہ ۱۰۵) تم عمل کرو عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھے گا اور اللہ کے رسول صل اللہ علیہ و سلم نے بھی یہ واضح فرما دیا ہے کہ مسلمان کے لیے عمل، کوشش وغیرہ اسباب کو اختیار کرنا

ضروری ہے، لہٰذا جو شخص تقدیر کو بہانہ بنا کر اسباب کو ترک کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والا اور شریعت اسلامی کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا، کیونکہ اسباب کو ترک کرنا ایسی سستی ہے جس کو اسلام پسند نہیں کرتا، البتہ کسی کام کے سلسلے میں اس کے اسباب ظاہری شرعی کو عمل میں لاکر نتائج اور انجام اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا اور اس کی ذات پر یقین اور بھروسہ رکھنا توکل اور ایمان ہے، اور اللہ کے رسول صل اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **اعملوا فکل میسر لما خلق له** (صحیح مسلم رقم ۲٦٤٧) تم عمل کرتے رہو ہر ایک کے لیے اس عمل کو آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے (الوافی شرح الاربعین رقم الحدیث ۱۹)

ماہ صیام

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری علیہ الرحمۃ

دین اور ایمان کی توقیر ہے ماہ صیام
عشق اور ایثار کی جاگیر ہے ماہ صیام

عزم و ہمت کی حسیں تصویر ہے ماہ صیام
صبر و استقلال کی تنویر ہے ماہ صیام

جس کا اک اک حرف ہے علم و عمل کا آئینہ
معرفت کی ایسی اک تحریر ہے ماہ صیام

یہ مہینہ ہے مکمل طاعتِ معبود کا
بندگی کے خواب کی تعبیر ہے ماہ صیام

کام لیتے ہیں مسلسل جس سے اربابِ وفا
وہ جہادِ نفس کی شمشیر ہے ماہ صیام

ہر کڑی جس کی شعورِ زندگی کا ہے ثبوت
وہ کمال فکر کی زنجیر ہے ماہ صیام

اس کا ہر لمحہ ہے دشمن جذبۂ تخریب کا
در حقیقت جذبۂ تعمیر ہے ماہ صیام

اس حقیقت سے نہ ہوں کیوں آشنا اہلِ نظر
شوکتِ اسلام کی تدبیر ہے ماہ صیام

جس سے ہے بیدار حافظؔ جذبۂ خود آگہی
حق کا وہ پیغامِ عالمگیر ہے ماہ صیام

اسلام میں یتیم ونادار بچوں کی کفالت

مفتی فیاض احمد قاسمی

معاشرہ میں رہنے والے قبیلے، خاندان اور برادریاں گو بہ طور شناخت ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہیں، ان کی رہائش، ان کا معاش اوران کا تمدن جداگانہ ہوتا ہے، تاہم بحیثیت معاشرت سبھی ایک ہوتے ہیں، غم اور خوشی میں شریک ہونا ان کا اخلاقی فریضہ ہوتا ہے، حوادثِ زمانہ کے تھپیڑے کھائے ہوئے لوگوں کی دیکھ بھال اوران کی ضروریات کی تکمیل کو وہ اپنی سماجی ذمہ داری سمجھتے ہیں اورکم وبیش سماج کےلوگ اس ذمہ داری کو اس لیے بھی نبھاتے ہیں کہ وہ ان کے لیے گراں بار نہیں ہوتے۔

لیکن آج کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ سماج کے یتیم بچوں کی کفالت ہے، معاشرہ کے صاحب حیثیت اور متمول حضرات کے بھی قدم اس موڑ پر آکر رک جاتے ہیں، کیوں کہ ان کے سامنے یتیموں کا صرف پیٹ بھرنا ہی ایک ضرورت نہیں، بلکہ ان کی مکمل نگہداشت، تعلیم وتربیت اورساری ضروریات کی تکمیل ایک لمبے عرصہ کی متقاضی ہوتی ہے، یہی سوچ کر گویا ہرایک اپنے کو بری الذمہ قرار دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں ان بچوں کی زندگیاں یوں ہی ضائع ہوجایا کرتی ہیں۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس میں ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے، اللہ پاک نے کسی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا، ہر ایک کے لیے ایسے اسباب وذرائع مہیا کردیے ہیں کہ وہ آسانی کے ساتھ اللہ کی زمین پر رہ کر اپنی زندگی کے ایام گزار سکے، یتیم ونادار اور لاوارث بچوں کے بھی معاشرتی حقوق ہیں، ان کی مکمل کفالت، ان کے حقوق کی

پاسداری ہے اوران سے منہ موڑ لیناان کے حقوق کی پامالی ہے۔

یتیم ونادار بچوں کی دو حیثیتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ ان کے پاس مال ہو، دوسرے یہ کہ ان کے پاس مال تو نہ ہو،لیکن ان کے عصبات، قریبی رشتہ دار یا ذوی الارحام میں سے کوئی موجود ہو۔

پہلی صورت میں یعنی اگران کے پاس مال ہے،تو ان کی پرورش و کفالت ان کے مال ہی سے کی جائے گی،خواہ ان کا کفیل کوئی قریبی رشتہ دار یا ذوی الارحام یا کوئی غیر ہو،اس کے لیے ضروری ہے کہ پوری احتیاط کے ساتھ ان کا مال ان پر خرچ کرے اوران کی تربیت وغیرہ کا بھی خاص خیال رکھے۔

قرآن کریم نے تاکید کی ہے کہ ان کا مال پوری ایمانداری کے ساتھ اُنہیں پر خرچ کرو، اپنی ذات میں ہر گز ان کا مال استعمال نہ کرو: ''وَلَاتَاكُلُوْا أَمْوَالَهُمْ إِلٰى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوْبًا كَبِيْراً۔''(النساء:۲) اور جب بالغ ہوکر سوجھ بوجھ والے ہوجائیں، نفع ونقصان کی تمیزان کے اندرآجائے توان کا مال ان کے حوالہ کردو :''فَإِنْ أٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ۔''(النساء:٦)

دوسری صورت جب کہ ان کے پاس مال نہیں ہے،لیکن ان کے عصبات یا ذوی الارحام موجود ہیں،تو پھر ان کی پرورش و پرداخت کے ذمہ دار یہی حضرات ہوں گے، البتہ ان میں یہ ترتیب ہوگی کہ عصبات میں زیادہ حق دار وہ ہوں گے جو رشتہ میں زیادہ قریب ہوں گے اور اگر عصبات موجود نہ ہوں تو ذوی الارحام ان کی کفالت کریں گے اوران میں بھی قریبی رشتہ داری کو ترجیح دی جائے گی۔

ہاں! اگر عصبات اور ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہوتو پھر حاکم وقت ان کو کسی مسلمان کے سپرد کردے گا، تاکہ وہ اس کی پرورش کرے اوراس کا خرچ بیت المال برداشت کرے گا-

معلوم ہوا کہ مذکورہ ترتیب کے اعتبار سے اگران لاوارثوں کی کفالت کے ذرائع

موجود نہ ہوں تو ان کی کفالت بیت المال کے ذمہ ہے،لیکن ہندوستان جیسے مما لک میں بیت المال کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کفالت کا مسئلہ قابل غور ہے،بیت المال کے بجائے شرعی تنظیمیں الحمدللہ! ہندوستان کے طول وعرض میں کسی نہ کسی شکل میں امت کے مسائل پر نظر رکھ رہی ہیں اور مسلمان اس امارت کے تابع ہوکر احکام شریعت پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا اس صورت میں شرعی امارتوں کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ ان یتیم بچوں کی کفالت کا انتظام کرے،خواہ اس کے لیے جو بھی مناسب شکل اختیار کرنی پڑے،مثال کے طور پر ان بچوں کو اپنی تنظیم کے تحت چل رہے کسی ہوسٹل و یتیم خانہ میں رکھ کر ان پر امت مسلمہ کی طرف سے آئی ہوئی مدات خرچ کرے، یا پھر جہاں وہ بچے ہیں وہیں کے کسی فرد مسلم کو متعین کردے کہ وہ ان کی دیکھ ریکھ اور پرورش کرے اور ان بچوں پر خرچ کرنے کے لیے ہفتہ،مہینہ یا سال کے اعتبار سے رقم اس شخص کو ادا کرے۔

غرض بیت المال نہ ہونے کی بنا پر شرعی تنظیمیں ان کا انتظام کریں گی،اور اگر شرعی تنظیمیں بھی نہ ہوں یا ان کی طرف سے اس طرح کا انتظام نہ ہوسکتا ہو،تو بھی ایسے بچوں کی کفالت خود اسی علاقہ کے مسلمانوں کے ذمہ ہوگی جہاں اس قسم کے یتیم و نادار بچے ہیں۔

اس طرح کے نادار، لاوارث اور یتیم بچوں کی کفالت مسلمانوں کے ذمہ ہے اور حسب سہولت علاقہ اور محلہ کے افراد پر یہ ذمہ داری عائد ہوگی، ان بچوں کو یوں ہی ضائع ہونے نہیں دیا جائے گا، اگر کچھ لوگ اس ذمہ داری کو بہ طور کفایہ نبھالیتے ہیں،تو سب بری الذمہ ہوجائیں گے، ورنہ سب کے سب مسئول ہوں گے۔

طابع وناشر وایڈیٹر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

سائنسی تحقیقات سے متأثر ہونا

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

آج کل نماز، روزہ وغیرہ عبادات شرعیہ کے طبی اور سائنسی فوائد پر مشتمل مضامین بکثرت آتے رہتے ہیں، الحمدللہ یہ ہمارا اور ہر مؤمن کا عقیدہ ہے کہ اللہ و رسول کی طرف سے بندوں کو جو بھی حکم دیا گیا ہے اس میں ہماری دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و بہبود مضمر ہے، اور اس حیثیت سے اگر دنیاوی اور اخروی دونوں طرح کے حاصل ہونے والے ممکنہ فوائد کو الگ الگ بیان بھی کر دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اور کسی غیر مسلم کو خود اسی کی زبان میں سمجھانے، مجوج کرنے، اور مطمئن کرنے کے لیے یہ طرز اختیار کیا جائے تو کسی حد تک مطلوب بھی ہے۔

البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ کسی بھی عمل سے حاصل ہونے والے ممکنہ دنیاوی فوائد ایسی چیز ہیں جن کی اس عمل میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ جس کی قسمت میں ہوں گے اس کو خود بخود ہی حاصل ہو جائیں گے، لیکن جس عمل میں ان دنیاوی فوائد کے حصول کی نیت کر لی جائے وہ عمل آخرت کے اعتبار سے لائق اجر اور قابل ثواب نہیں رہ جاتا، قرآن کریم میں ہے: **"من كان يريد العاجلة عجلنا له فيما نشاء لمن نريد"**۔ اور: **"من كان يريد حرث الدنيا نؤته منها و ما له في الآخرة من نصيب"**۔ اسی لیے شریعت نے اعمال شرعیہ کے اصلا صرف اخروی مقاصد اور دینی فوائد بتلائے ہیں، مثلا: رضائے الٰہی، مغفرت، کفارہ سیئات، رفع درجات، حصول جنت، بعد جہنم، وغیرہ وغیرہ۔ دنیاوی منافع کہیں کہیں ضمنا آ گئے ہیں، مستقل طور پر نہیں۔

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی عمل معتبر اور لائق اجر و ثواب ہوتا ہے جو محض رضائے خداوندی کے حصول کے لیے، اور آخرت کے اجر و ثواب کی نیت سے انجام دیا

جائے، اس لیے طبی اور سائنسی فوائد پڑھنے کے بعد اپنی نیت (اور ایمان) کا بھی جائزہ لیتے رہنے کی ضرورت ہے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کی خوش نودی اور آخرت کی کامیابی کے لیے انجام دیا گیا ہے، یا ان طبی اور سائنسی فوائد کے حصول کے لیے؟

اگر خدانخواستہ دوسری صورت ہے تو عمل تو ضائع ہوا ہی، بعض اوقات ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے، کیونکہ مطلوب "ایمان بالغیب" ہے، اور سائنسی تحقیق سے متاثر ہوکر عمل کرنا؛ یہ تو انسانی عقل، یا تجربے پر عمل کرنا ہوا، "ایمان بالغیب" کہاں رہ گیا؟

امید کہ بحیثیت مسلمان اور صاحب ایمان اس مسئلے کی حساسیت اور نزاکت کو سمجھا جائے گا، اور اس نکتے پر بطور خاص غور کیا جائے گا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس طریقے کو نہیں اختیار فرمایا؟!!

دعائے نیم شبی

دمِ آخر ہو الا اللہ کی توفیقِ ارزانی
تو سمجھوں واقعی اب ہوگئی تکمیلِ ایمانی

زبان و دل ہوں مصروفِ دعا سجدے میں پیشانی
نہ ہو سکرات طاری دم نکل جائے بآسانی

نہیں کچھ بھی نہیں مرہونِ منت سعیٔ انسانی
محبت ہے رسول پاک کی فیضانِ یزدانی

تصدق تجھ پہ سو سو جان سے اے شمعِ عرفانی!
کہ بخشا ہے دلِ عارفؔ کو تو نے نورِ ایمانی

زبانِ شوق پر ہے أَنتَ مَقْصُودِی وَمَطْلُوبِی
دلِ مضطر کو حاصل ہورہا ہے کیف روحانی

از: حضرت مولانا فضل حق عارف خیر آبادی

فلسطینیوں کا قتل عام

خورشید عالم داؤد قاسمی
ہیڈ :اسلامک ڈپارٹمنٹ،مون ریز ٹرسٹ اسکول،زامبیا

غاصب مملکت اسرائیل کے شہر تل ابیب میں واقع، امریکی سفارت خانہ ۱۴/مئی کو مقبوضہ بیت المقدس میں منتقل کردیا گیا، اسی یروشلم (مقبوضہ بیت المقدس) میں جس کے اصل حقدار فلسطینی مسلمان ہیں، اس عمل سے امریکہ یہ واضح کردینا چاہتا ہے اسرائیل نے جس یروشلم (بیت المقدس) کو ظلم وجبر کے ساتھ ۱۹۶۷ء میں قبضہ کرکے اپنا دار الحکومت بنانا چاہتا ہے، اس میں امریکہ کی مرضی بھی شامل ہے۔

۱۲/مئی ۲۰۱۸ء کو امریکی صدر نے ٹویٹ کیا تھا کہ ’’آئندہ ہفتہ عظیم ہفتہ ہوگا، جس وقت اسرائیل (تل ابیب) میں واقع امریکی سفارت خانہ، بیت المقدس منتقل کیا جائے گا۔ سب لوگوں کو مبارک ہو‘‘۔ ۱۴/مئی ۲۰۱۸ء کو صبح صبح اسی امریکی صدر نے ٹویٹ کیا کہ ’’اسرائیل (کی تاریخ) کا ایک عظیم دن‘‘۔

تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، مگر ہاں، شرم سے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ ایک امریکی صدر کی چودھراہٹ کے سامنے درجنوں مسلم ممالک کے زعماء وقائدین گیدڑ بن کر بِل میں گھسے ہوئے ہیں؛ جب کہ ان کے پاس کافی وقت تھا کہ وہ ہمت کا مظاہرہ کرتے، عالمی برادری سے مل کر باتیں کرتے، اس امریکی فیصلے کے خلاف ماحول تیار کرتے اور امریکہ کے ظالمانہ فیصلے پر روک لگانے کی کوشش کرتے، مگر انھوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا؛

امریکی صدر نے گزشتہ سال یعنی ۶/دسمبر ۲۰۱۷ کو ہی ’’بیت المقدس‘‘ کو اسرائیل کی راجدھانی تسلیم کرنے کا اعلان کیا تھا، اس اعلان کے بعد، کچھ مسلم ممالک کے

حکمرانوں نے ٹرمپ کے اس ظالمانہ رویے کے خلاف آواز اٹھا کر، خواب غفلت سے بیداری کا ثبوت پیش کیا تھا؛ تو لوگوں کو امید بندھی تھی کہ اب پانی سر سے اونچا ہو رہا؛ اس لیے مسلم ممالک کے لیڈران کم از کم اب بیدار ہو گئے ہیں، اب فلسطین کی آزادی، بیت المقدس کی بازیابی اور مسجد اقصی کی حفاظت کے حوالے سے کچھ مثبت فیصلے لیے جائیں گے؛ مگر چند دنوں کے بعد ہی سب کے سب پہلے ہی کی طرح خاموش ہو گئے، ترکی کے مرد آہن، رجب طیب اردگان استنبول سے لندن تک کچھ نہ کچھ بول رہے ہیں؛ مگر شخص واحد کر بھی کیا سکتا ہے، مسٹر ٹرمپ کے بدبختانہ اعلان کے بعد، عرب لیگ کے رکن ممالک کے وزرائے خارجہ کی ہنگامی میٹنگ، مصر کی راجدھانی قاہرہ میں منعقد ہوئی تھی، اس میٹنگ میں ممبران نے واضح لفظوں میں امریکی صدر کے فیصلے کی مذمت کی تھی اور عالمی برادری سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا کہ وہ فلسطین کو ایک آزاد ریاست تسلیم کریں، مگر اس کے بعد، عملی طور پر کوئی قدم نہیں بڑھایا؛ بل کہ ماضی کی طرح سب خاموش بیٹھ گئے۔

مڈل ایسٹ آئی کی رپورٹ کے مطابق امریکی سفارت خانہ کی منتقلی کے وقت جہاں بیت المقدس میں آباد مسلمان پرامن احتجاج کر رہے تھے، وہیں صہیونیت نواز لوگ اپنے جشن کے اظہار میں فلسطینیوں کے خلاف یہ نعرے لگا رہے تھے کہ ''ان کو جلادو، ان گولیوں سے بھون دو، ان کو قتل کر دو!''

جس ریاست کے حکمرانوں کا دامن فلسطینیوں کے خون سے رنگین ہو اور اس کے شہری ایسی زبان بولتے ہوں، کیا ان سے بھی پائیدار امن سمجھوتے کی توقع کی جاسکتی ہے؛ جب کہ امریکہ پائیدار امن سمجھوتے کے لیے خود کو وقف کر رہا ہے؟

امریکہ سپر پاور ہونے کے جھوٹے زعم وغرور میں، ہر جگہ ثالثی کا رول نبھانے کا خواہاں رہتا ہے، چناں چہ مشرق وسطی میں بھی فلسطین اور غاصب ریاست اسرائیل کے حوالے سے وہ خود کو ہمیشہ ثالثی بتاتا آیا ہے، اب انصاف پسند کچھ لوگ اس بات سے پریشان اور تعجب

میں ہیں کہ جو خود کو ثالثی باور کرانے کی کوشش کرتا رہا ہو، وہ کیسے ایسا غیر دانش مندانہ قدم اٹھا رہا ہے جو بدیہی طور پر جانب داری کی عکاسی کرر ہا ہے؛ کیوں کہ اس اشتعال انگیز فیصلے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ غیر جانبدار نہیں ہے؛ بل کہ دہشت گرد مملکت اسرائیل کا حلیف و معین ہے جو فلسطین کا وجود ختم کرنے کی کوشش میں ہے۔

آج جس اقوام متحدہ کی قرارداد کے طفیل غاصب ریاست اسرائیل کا وجود نظر آرہا ہے، اسی اقوام متحدہ کی قرارداد نے فلسطین کی تقسیم کے وقت ''یروشلم — بیت المقدس —'' کو ''بین الاقوامی شہر'' قرار دیا تھا، مگر اس پر غاصب اسرائیل اور اس کے ظالم حلیف نے کبھی توجہ نہیں دی؛ تا آں کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں پورے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔

یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ اسرائیل نے اقوام متحدہ کی قرارداد کے خلاف قدم اٹھایا تھا؛ بل کہ حقیقت یہ ہے فلسطین کے حق میں، اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے جب بھی کوئی قرار دار منظور کی گئی ہے، امریکہ اسے ویٹو کرنے یا پھر غاصب اسرائیل کی اس قرارداد کے خلاف عملی اقدام کرنے میں پشت پناہی کرتا رہا ہے، جب دسمبر ۲۰۱۷ء میں ٹرمپ نے ظالمانہ انداز میں بیت المقدس کو غاصب اسرائیل کی راجدھانی تسلیم کرکے، امریکی سفارت خانہ کو تل ابیب سے ''بیت المقدس'' منتقل کرنے کا اعلان کیا تھا، اس وقت بھی ٹرمپ کے اس فیصلے کے خلاف اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرار داد پاس کرکے امریکہ کے فیصلے کو مسترد کیا تھا، اس کے باوجود ٹرمپ انتظامیہ نے اقوام متحدہ کی قرارداد کی واضح مخالفت کرتے ہوئے، امریکی سفارت خانہ کو بیت المقدس منتقل کرکے، اقوام عالم کو ایک بار پھر باور کرادیا کہ اسرائیلی مفاد کے خلاف اقوام متحدہ کی کسی قرارداد کی، اس کے سامنے کوئی وقعت و اہمیت نہیں ہے۔

بہر کیف، صہیونی اسرائیلیوں نے اس امریکی فیصلے پر جشن منایا اور خوشی و مسرت کے ماحول میں، امریکی سفارت خانہ کی تل ابیب سے بیت المقدس منتقلی ہوگئی۔ مسلم ممالک کے

حکمراں خاموش تماشائی بنے رہے، شاید وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان حکمرانوں کے ممالک محفوظ، ان کی حکومتیں محفوظ ہیں، ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جارہا ہے، ان کے بیٹے بیٹیوں اور جگر کے ٹکڑوں کا قتل نہیں ہورہا ہے، ان کی بیٹیوں اور بیویوں کی عزت محفوظ ہے، ان کے آسمان چھوتے محلات پر کوئی قابض نہیں ہے، ان کی عیش وآرام کی زندگی میں کوئی مزاحم نہیں ہے، ان کے تعلیمی ادارے اور ہسپتالوں پر بمباری نہیں ہورہی ہے، ان کے ہرے بھرے باغات جلائے نہیں جارہے ہیں، پھر ان کو کیا ضرورت ہے کہ وہ اسرائیل وامریکہ کے خلاف آواز اٹھائیں؛ جب کہ اسرائیل اپنی وحشیانہ طاقت کا استعمال کررہا ہے، ظلم وجور اور کھلی دہشت گردی کا ارتکاب کررہا ہے اور امریکہ اس کی واضح طور پر حمایت میں لگا ہے۔

مسلم ممالک کے خاموش اور بے غیرت حکمرانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو اسرائیل آج فلسطینیوں کی آزادی چھین رہا ہے، فلسطینیوں کی زمینیں قبضہ کررہا ہے، مسلمانوں کے قبلہ اول کو مسمار ومنہدم کرنے کی مذموم سعی کررہا ہے، فلسطینیوں کے مدارس واسکولس اور ہسپتالوں تک پر بمباری کرنے میں دریغ نہیں کرتا، فلسطینیوں کے ہرے بھرے باغات کو نذر آتش کرتا ہے، ہزاروں فلسطینیوں کو قیدی بنائے ہوئے ہے، ان کے معصوموں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی تمیز کے گولیوں سے بھون رہا ہے، فلسطینیوں کا قتل عام کررہا ہے، فلسطینیوں کی نسل کشی کا مجرم ہے، وہ اسرائیل جب فلسطینیوں سے فارغ ہوگا؛ تو پھر وہ ان گیدڑوں، بزدلوں، منافقوں اور عیاشوں پر حملہ کرے گا جو آج خاموش تماشائی ہیں۔

دانشمندی اسی میں ہے ابھی بھی مسلم ممالک کے قائدین اتحاد واتفاق کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر آکر، کھلے طور پر فلسطینیوں کی حمایت کریں، بیت المقدس ومسجد اقصی کی بازیابی اور فلسطینیوں کے لیے ایک آزاد ریاست سے کم پر کوئی سمجھوتہ نہ کریں، اگر ایسا نہیں ہے؛ تو یاد رکھیں کہ ''آج ہماری، کل تمھاری باری ہے''، مسلم ممالک کے لیڈران نوٹ کرلیں کہ امریکہ کا اسرائیل کو مادی ومعنوی قوت فراہم کرنے کا سیدھا مقصد، مشرق وسطی کو کنٹرول اور

قبضے میں رکھنے کی مضبوط تیاری ہے، جس میں امریکہ کامیاب ہوتا نظر آرہا ہے۔

گزشتہ کی طرح اس بار فلسطینی سرفروشان اسلام، انبیاء کی سرزمین: فسلطین اور مسلمانوں کے قبلہ اول کی حفاظت کے لیے ۱۴/مئی کی صبح سے، امریکی سفارت خانہ کی منتقلی کے خلاف سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں، قابض اسرائیلی فوج کی بندوقوں سے گولیاں بارش کی طرح ان پرامن مظاہرین پر برس رہی ہیں، اسرائیلی فوج اپنی طاقت کے نشے میں اس طرح مست ہے کہ بغیر کسی تمیز کے جس پر وہ چاہتی ہے فائرنگ کرتی ہے؛ چناں چہ ان کی گولیوں سے نہ صرف پرامن مظاہرین کے ساتھ معصوم بچے اور لائق رحم بوڑھے قتل ہورہے ہیں؛ بل کہ صحافی اور ڈاکٹر کو اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑ رہا ہے، اب تک کئی مظاہرین اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرچکے ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق، غزہ کے سرحدی علاقے میں، غاصب اسرائیل کی فوجیوں کی فائرنگ سے، جام شہادت نوش کرنے والوں کی تعداد ''ساٹھ'' تک پہنچ چکی ہے؛ جب کہ زخمیوں کی تعداد تین ہزار سے زاید ہے، حقیقت یہ ہے کہ فلسطینیوں کا قتل عام ہورہا ہے، ہمیں یقین ہے کہ ان شہیدوں کا خون ضرور رنگ لائے گا، مگر یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ فلسطین کی آزادی، بیت المقدس کی بازیابی اور مسجد اقصی کی حفاظت کے لیے کتنے شہیدوں کا خون درکار ہے اور ان شہیدوں کا خون کب رنگ لائے گا؟

ایک اسلامی معاشرہ

انسانی معاشرہ کو کیسے متأثر کرسکتا ہے؟

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد شرک اور ضلالت میں ڈوبے ہوئے سماج میں توحید کی صدا بلند کی، مکۃ المکرمہ کے شرک زدہ ماحول میں توحید کی یہ صدا بے حد نامانوس تھی، اور اس کی زد براہ راست رؤسائے کفار کے موروثی دین باطل پر پڑ رہی تھی، اس لئے مخالفتوں کا ایک طوفان اڈ آیا، توحید کی صدا پر لبیک کہنے والے گنتی کے چند افراد پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا، مگر ان تمام مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود قافلہ توحید بڑھتا گیا، بالآخر مدینۃ الرسول میں ایک مثالی آئیڈیل اسلامی معاشرہ تشکیل پایا۔

صحابۂ کرام کا سماج ایک نمونے کا مسلم سماج تھا، اور اسکی بے شمار امتیازی خصوصیات و کمالات نے پورے عالم کو متاثر کیا اور پھر اس کے نتیجے میں مشرق سے مغرب تک اسلام پھیلا اور اسلام کا حلقہ اور دائرہ پھیلتا اور بڑھتا گیا، مرورِ ایام سے پھر بعد کی صدیوں میں اُس معاشرہ کی خصوصیات کم ہونا شروع ہوئیں اور پھر اسکی تاثیر اور مقبولیت کا گراف بھی نیچا ہوتا گیا، اور اب موجودہ صورت حال مسلم سماج کی یہ ہے کہ ہر طرف اخلاقی طاعون پھیلا ہوا ہے، اباحیت اور عریانیت، مادّیت اور حیوانیت کے باب میں نمونے کا مقام رکھنے والی یوروپی تہذیب کی دریوزہ گری اور اندھی تقلید نے تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار پر تیشے چلا ڈالے ہیں، اور بقول حافظ شیرازی ع ہمہ آفاق پر از فتنہ و شرمی بینم

پوری دنیا فتنہ اور شر کی آماج گاہ بنی ہوئی نظر آتی ہے، اور حدیث نبوی کے بموجب

گناہوں کی بہتات اور گندگی نے تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے، مسلم سماج کی یہ بدحالی اور بے راہ روی پورے انسانی سماج کی نگاہ میں اُس کی دناءت اور رذالت کی منظر کشی کرتی ہے، اور مسلمانوں کی عملی زندگی پر نگاہ رکھنے والا انسان متأثر ہونے کے بجائے مایوس، بددل و بدگمان اور نفور و گریزاں ہوتا ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرے کو اُسی وقت متاثر کرسکتا ہے جب وہ قرنِ اول (عہد صحابہ) کے مثالی سماج کی نمایاں خصوصیات اختیار کرلے اور ان سے انحراف کو اپنے لئے تباہی کی علامت اُسی طرح باور کرے جس طرح صحابہ کرام ان خصوصیات سے کسی بھی قیمت پر دست بردار ہونا ہلاکت کے مرادف سمجھا کرتے تھے۔

صحابۂ کرام کے معاشرے کی تمام خصوصیات کا احاطہ تو دشوار ہے، تاہم ان کے روشن عناوین کچھ یوں ہیں:

(۱) موقفِ حق پر محکم یقین اور استقامت

دل کی گہرائیوں سے حق قبول کر لینے کے بعد صحابہ کو ایسا پختہ یقین اور اپنے موقف پر ایسا ثبات و استقلال حاصل ہوجاتا تھا کہ بادمخالف کے کتنے ہی جھکڑ کیوں نہ چلیں، رکاوٹوں کا طوفان کیوں نہ آجائے اور مصائب و مشکلات کی بھٹیوں میں تپایا کیوں نہ جائے وہ کوئی لچک اور نرمی پیدا کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے، دشمنوں کی ترغیبات و تحریصات کا دام ہو یا تہدیدات و تشدیدات کی کارروائی، ان کے موقف میں سرمو انحراف نہ آتا تھا اور ان کی زبانِ حال یہ پیغام دیتی تھی۔

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

(۲) جذبۂ ایثار و قربانی

معاشرتی زندگی کی کامیابی کا راز ایثار و قربانی میں ہے، صحابہ کرام کا سماج ایثار و قربانی کا

آئیڈیل سماج تھا، قرآن انصارِ صحابہ کے جذبۂ ایثار کو ویؤثرون علیٰ أنفسھم ولو کان بھم خصاصة (وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود اپنی جگہ محتاج کیوں نہ ہوں) کے الفاظ سے بیان کرتا ہے، سیرت صحابہ میں مالی ایثار کی بے شمار داستانیں ہیں، ہجرت نبوی کے پرخطر سفر کے موقع پر دشمنانِ اسلام کی طرف سے اجتماعی طور پر قتل رسول کی منظم پلاننگ معلوم ہونے کے باوجود حضرت علی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر آرام، اسی طرح سفر ہجرت کی دشوار گذاریوں میں حضرت ابوبکر کی طرف سے والہانہ طلب پر شرکت ورفاقت جانی ایثار کے عدیم النظیر نمونے ہیں، غزوات کا موقعہ ہو، حفاظتِ رسول کا موقعہ ہو، تحفظ دین کا موقعہ ہو، ملت کی خدمت کا موقعہ ہو، ہر موڑ پر صحابہ کی قربانیوں اور ایثار کے ریکارڈ موجود ہیں، اور اسلام سے محروم انسانی سماج پر صحابہ کے اس جذبے نے کیا کیا اثرات مرتب کئے اور کس طرح وہ اسلام سے قریب آیا یہ بالکل واضح ہے۔

(۳) نافعیت اور مواسات

سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے، مسلمان وہی ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے انسان محفوظ رہیں، مؤمن وہی ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے سلسلے میں مامون و بےخوف ہیں، اللہ کا سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرے، ان بنیادوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرہ قائم فرمایا تھا، صحابہ کے معاشرے کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ انھوں نے ہمیشہ یہی انداز اپنائے رکھا کہ۔

مری زبان وقلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی کو شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ سے

حضرت جابر بن عبداللہ کو پہلی ملاقات میں یہ نصیحت کی تھی کہ تم کبھی کسی کو برا بھلا مت کہنا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر مرتے دم تک میں نے نہ کسی آزاد کو برا کہا نہ کسی غلام کو،

اور انسان تو انسان ہے کسی اونٹ اور بکری کے لئے بھی سخت کلمہ میری زبان سے نہیں نکلا، دوسروں کے درد کو اپنا سمجھنا بلکہ اپنے درد سے زیادہ اس کا احساس اور ہمہ وقت دوسروں کو نفع پہنچانے کی کوشش صحابہ کے معاشرے کا طرۂ امتیاز تھا۔

(۴) عدل ومساوات

قرآن ایسا ایمانی معاشرہ چاہتا ہے جو انصاف کا علم بردار اور مساوات کی روش پر قائم ہو، طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ اسلام کی نگاہ میں جاہلیت کی لعنت اور غلاظت ہے، ظلم اور ناانصافی امن عالم اور بقائے انسانیت کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے، صحابہ کا معاشرہ عدل ومساوات کی شاہراہ پر گامزن تھا، اس سماج میں ہر فرد عدل کا خوگر تھا، خواہ اس کی زد اس کی اپنی ذات یا اس کے والدین واقارب پر کیوں نہ آتی ہو، اسی طرح مساوات اور برابری کے لحاظ سے بھی وہ معاشرہ نمونے کا تھا، مشہور غسانی سردار جبلہ بن ایہم جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور طواف کے دوران ایک دیہاتی مسلمان کا پاؤں اس کے تہ بند پر جا پڑا تھا، جس پر اس نے اسے اتنی زور سے مارا کہ ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہو گیا اور خون رسنے لگا، حضرت عمر نے فیصلہ سنایا کہ یا تو بدّو کو راضی کرو یا قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ، جبلہ نے لاکھ نرمی کا معاملہ کرانا چاہا مگر حضرت عمر نے کہا کہ اسلام شاہ وگدا کا فرق نہیں کرتا، اس کا قانون عام مساوات کا قانون ہے، بالآخر جبلہ نے کچھ مہلت لی، اور راتوں رات بھاگ کر پھر عیسائی ہو گیا، مگر اسلامی قانون عدل ومساوات پر حضرت عمر نے آنچ نہ آنے دی۔

(۵) اجتماعیت واخوت

صحابہ کا معاشرہ باہمی الفت ومحبت میں جسم واحد کی طرح تھا، اور باہمی اتحاد واجتماعیت میں ان کی کیفیت ’’بنیان مرصوص‘‘ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھی، اوس وخزرج کی باہمی طویل خانہ جنگی اور سلسلۂ کشت وخون اسلام کی برکت سے باہمی محبت والفت میں اس طرح تبدیل ہوئی کہ منافق اور یہود مل کر بھی اس اجتماعیت میں دراڑ پیدا نہ کرسکے،

اختلاف کو ہوا دینی والی چیزوں سے، ہر طرح کی بدگمانیوں اور بے جا خدشات سے اور افواہوں پر یقین کرنے سے صحابہ کا سماج پاک تھا، اور اسی لئے اس میں مثالی اتحاد اور اخوت کا جذبہ تھا، جو دوسروں کو حد سے زیادہ متاثر و مرعوب کرتا تھا۔

(۶) قول وعمل کی یکسانیت

قرآن کی صراحت کے مطابق قول وعمل کا تضاد اللہ کی نگاہ میں بے حد مبغوض عمل اور انسانی سماج کے لئے زہر قاتل ہے، معاشرے کی اصلاح کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہر فرد غازیٔ کردار ہو، حضرت عثمان غنی نے اپنا اول خطبہ خلافت اس حقیقت کے اظہار سے شروع کیا تھا کہ آج مسلمانوں کو غازیٔ کردار رہنما کی ضرورت ہے نہ کی غازیٔ گفتار رہنما کی۔ عہد صحابہ قول وعمل کی یکسانیت میں ممتاز تھا، اور اس معاشرے کا ہر فرد جو کہتا تھا سب سے پہلے اس پر عمل کر کے دِکھاتا تھا، چنانچہ اس کی تاثیر یہ سامنے آتی تھی کہ گروہ در گروہ لوگ آ کر اسلام کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔

(۷) ادائے حقوق

اسلام نے بندگانِ خدا پر حقوق عائد کئے ہیں، اللہ کے حقوق کی الگ فہرست ہے، اور بندوں کے حقوق کی الگ، بلکہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی نسبتاً زیادہ اہم قرار دی گئی ہے، صحابہ کی زندگی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا جو اہتمام نظر آتا ہے وہ بے نظیر ہے۔

صحابہ کرام کے قرآنی، ربّانی اور ایمانی معاشرے کی بے شمار خصوصیات کے یہ روشن خطوط ہیں، اس لئے بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ ان خصوصیات کو اپنائے بغیر اور اسوۂ صحابہ کی پیروی کئے بغیر انسانی معاشرے کو نہ تو متاثر کرسکتا ہے اور نہ اپنی عملی زندگی میں کامیابی اور سعادت سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔

عید الفطر: خوشی و مسرت کا دن

ابو جندل قاسمی

خادم تدریس مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفر نگر یوپی

عن انسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قَدِمَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ و سلم الْمَدِیْنَةَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا فَقَالَ: مَاھٰذَانِ الْیَوْمَانِ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللہُ بِھِمَا خَیْرًا مِنْھُمَا یَوْمَ الْاَضْحیٰ وَ یَوْمَ الْفِطْرِ۔ (ابو داؤد ۱/۱۶۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: ہم اسلام سے پہلے ان دونوں دنوں میں کھیل کود اور خوشیاں منایا کرتے تھے، (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لیے مقرر کر دیے ہیں، (بس اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) عید الاضحیٰ کا دن اور عید الفطر کا دن۔

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے ہیں، اور اگلے پچھلے رنج وغم ومصائب کو بھول کر دیگر طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت وخوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے، اسی لیے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں جس کے

ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

مذہبِ اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں، ایک عید الفطر، دوسرے عید الاضحیٰ، بس یہی مسلمانوں کے اصل مذہبی وملّی تہوار ہیں، ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر بدعات وخرافات ہیں۔

اسلام سے پہلے بھی لوگ دو دن ''نیروز اور مہر جان'' تہوار کے طور پر منایا کرتے تھے، ''نیروز'' سال کا پہلا دن تھا، یہ ''نوروز'' کا معرب ہے، اور ان دونوں دنوں میں ہوا معتدل ہوتی ہے، نہ سرد نہ گرم، دن رات برابر ہوتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے حکماء نے ان دونوں دنوں کو خوشی منانے اور کھیل کود کرنے کے لیے منتخب کیا، اور دوسرے لوگ چوں کہ حکماء کے ساتھ تعظیم کا معاملہ کرتے تھے، اور ان کی کمالِ عقل کے معترف تھے، اس لیے انہوں نے ان دنوں کے حوالے سے ان حکماء کی تجویز کو قبول کیا، اور وہ لوگ ان دونوں دنوں میں جشن مناتے، تفریحات کرتے، گانے بجانے کی مجلسیں جمتیں، خوشی کے اظہار اور کھیل کود میں مست ہو جاتے، جس کا اندازہ ہم اپنے برادرانِ وطن کے تہواروں (ہولی و دیوالی) کے موقعوں پر پیش آنے والے مناظر سے بخوبی کر سکتے ہیں۔ (بذل المجہود ۶/۱۵۹)

''عید'' کی وجہ تسمیہ: علماء کرام نے عید کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کئی باتیں کہی ہیں: (۱) ''عید'' اصل میں ''عود'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اس کو عید کہنا ایک طرح کی نیک فالی ہے، اور گویا اس تمنا کا اظہار ہے کہ یہ مسرت وخوشی کا دن بار بار آئے۔

(۲) دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عید ہر سال لوٹ کر آتی ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ہر سال مغفرت اور رحمت کے ساتھ لوٹتا ہے اور متوجہ ہوتا ہے، گویا اگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت بندے کو حاصل نہ ہوئی تو روزے اور عید کا مقصد حاصل نہیں ہوا۔

(۴) چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عید کے دن آدمی غم سے خوشی کی جانب عود کرتا ہے۔

(۵) پانچویں وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ہر شخص عید کے روز اپنی حیثیت کی طرف رجوع کرتا ہے، جوان کے لباسوں اور کھانے پینے کی چیزوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینیؒ ۴/۴۸۶)

دوگانہ نمازِ عید کی حکمت: اسلامی شریعت نے انسانی فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں اپنے متبعین کے لیے سال میں دو دن عید کے عنوان سے خوشی و مسرت کے لیے تجویز کیے ہیں وہیں ان دونوں دنوں میں دوگانہ نماز عید واجب کر کے یہ بات بتلائی ہے کہ مسلمانوں کی مسرت اور شادمانی کے اظہار کا طریقہ غیر مسلموں سے مختلف ہونا چاہئیے، اور وہ یہ کہ مؤمن بندے کی پیشانی اپنے خالق و مالک کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے، وہ اس بندہ نواز کے حضور اپنی بندگی کا اظہار کر کے اس کی خوشنودی کا مستحق بن جائے، ظاہر ہے مؤمن بندے کے لیے سب سے بڑی خوشی یہی ہے کہ اُسے دنیا کی فانی لذت حاصل ہو یا نہ ہو مگر اس کا حقیقی رب اس سے راضی ہو جائے، قرآن کریم میں سورۂ توبہ میں ارشاد خداوندی ہے: ''وَرِضْوَانٌ مِنَ اللهِ اَکْبَرُ''، (اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب نعمتوں سے بڑی چیز ہے۔ بیان القرآن) اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے خوشی کے ان دو دنوں میں نمازِ عید کے ذریعے اظہارِ بندگی کا حکم دے کر خوشی کے جذبات کے ساتھ ساتھ معرفت خداوندی اور شکرِ نعمت جیسے واجبات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے، کہ عید محض مذہبی تہوار نہیں بلکہ انعاماتِ خداوندی کی شکر گزاری کا دن ہے، عید کھیل کود کا دن نہیں بلکہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کا دن ہے، عید خوشیوں میں مست ہونے کا دن نہیں بلکہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پہچان کر رضائے خداوندی کے حصول کا دن ہے، یہی عید کی اصل روح ہے، اور یہ روح درحقیقت اس شخص کو حاصل ہوگی جس نے ماہِ رمضان المبارک میں عبادت، تلاوتِ قرآنِ کریم، صدقات و استغفار کی کثرت، اور معصیات اور منکرات سے پرہیز کے ذریعے اپنے کو ''تقویٰ'' (جو روزے کا خاص مقصد ہے) کی صفت سے مزین اور آراستہ کیا ہو،

ایسے ہی شخص کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل ارشادِ مبارک ہے:

’’جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ جل شانہ فرشتوں کے سامنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتے ہیں اور ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جو اپنی خدمت پوری پوری ادا کردے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی اجرت پوری پوری دے دی جائے، ارشاد ہوتا ہے کہ اے فرشتو! میرے غلاموں اور باندیوں نے میرے فریضے کو پورا کردیا، پھر دعا کے ساتھ پکارتے ہوئے (عیدگاہ کی طرف) نکلے ہیں، میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میری بخشش کی قسم! میرے علو شان کی قسم! میرے بلندیٔ مرتبہ کی قسم! میں ان لوگوں کی دعا ضرور قبول کروں گا، پھر لوگوں کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ: جاؤ میں نے تمہارے گناہ معاف کردئے ہیں، اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے، پس وہ لوگ عیدگاہ سے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں‘‘۔ (شعب الایمان للبیہقی حدیث ۳۷۱۷۔ مشکوٰۃ شریف ۱/ ۱۸۲)

حقیقت یہی ہے کہ عید کی خوشی ومسرت ہمیں اسی وقت حاصل ہوگی جب ہم عید کا چاند دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی، تلاوت قرآن کریم وذکرواذکار، صدقات وخیرات، توبہ واستغفار کا اور آئندہ معصیات ومنکرات سے پرہیز کرنے کا پختہ ارادہ وعہد کریں، بصورتِ دیگر عید کا دن ہمارے لیے مسرت وشادمانی کا نہیں بلکہ رنج وغم اور حسرت ویاس کا دن ہوگا۔

عید کے دن کی سنتیں :

(۱) مسواک کرنا، مسواک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اہم سنت ہے، تمام نمازوں سے پہلے بھی مسواک مسنون ہے، نیز جمعہ کے دن (جس کو مسلمانوں کی ہفتہ واری عید قرار دیا گیا ہے) مسواک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، (ابن ماجہ ص ۷۷) تو ظاہر ہے کہ عید کی نماز سے پہلے بھی اس کا اہتمام سنت ہوگا۔

(۲) غسل کرنا، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عیدین کے دن غسل کرنے کا معمول تھا۔ (ابن ماجہ ص ۹۳)

(۳) خوشبو لگانا، دینی اجتماع کی رعایت سے جمعہ کے روز (جو ہفتہ واری عید ہے) خوشبو لگانے کا اہتمام پسندیدہ ہے، (ابن ماجہ ص ۷۷) اور عید کا اجتماع اس سے بڑھ کر ہے، لہٰذا عیدین میں بھی خوشبو لگانا مسنون ہے۔

(۴) اپنی حیثیت کے مطابق عمدہ کپڑا پہننا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار میں ایک ریشمی جبہ فروخت ہوتے ہوئے دیکھا، چناں چہ وہ ریشمی جبہ لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ: یارسول اللہ! آپ اس کو خرید لیں، تاکہ عید اور وفود کی آمد کے موقع پر زیب تن فرمایا کریں، لیکن ریشمی ہونے کی وجہ سے آپ نے معذرت کردی، اور ارشاد فرمایا: ''اِنَّمَا ھٰذِہٖ لِبَاسُ مَنْ لاَ خَلاَقَ لَہٗ''، یہ ان لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینت کے تعلق سے کوئی بات نہیں فرمائی، نکیر صرف ریشمی کپڑا ہونے کی وجہ سے فرمائی، اسی سے امام بخاریؒ نے عیدین میں کپڑوں کے خصوصی اہتمام پر استدلال کیا ہے۔ (بخاری ۱/۱۳۰)

عید کے کپڑوں کا سفید ہونا بہتر ہے، حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اِلْبَسُوْا البیاض فَاِنَّھَا اَطْیَبُ وَ اَطْھَرُ''، سفید کپڑا پہنو، اس لئے کہ وہ زیادہ پاکیزہ اور زیادہ صاف ستھرا ہوتا ہے۔ (ترمذی ۲/۱۰۸) لیکن سفید ہونا ضروری نہیں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں سرخ ڈورے کی ایک چادر استعمال فرماتے تھے۔ (المعجم الاوسط ۷/۳۱۶)

(۵) عیدگاہ جانے سے پہلے کھانا، عید الفطر کے دن عیدگاہ کے لیے نکلنے سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے، بہتر بات یہ کہ یہ کھائی جانے والی چیز میٹھی اور طاق عدد میں ہو، اور کھجور ہو تو زیادہ بہتر ہے، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید الفطر کے دن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں طاق عدد کھا کر تشریف لے جاتے تھے۔(بخاری ۱/ ۱۳۰)

(۶) عیدگاہ کی آمد ورفت، عیدین میں بہتر ہے کہ عیدگاہ پیدل جایا جائے، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ پیدل آتے جاتے تھے۔(ابن ماجہ ص ۹۲) عیدگاہ آنے جانے میں یہ بھی مستحب ہے کہ ایک راستے سے جائے اور دوسرے راستے سے واپس ہو، چناں چہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔ (بخاری ۱/ ۱۳۴)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لیے جس راستے سے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستے سے تشریف لاتے تھے، علماء کرام نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں: (۱) اس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت وشوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار واعلان ہوتا ہے، (۲) عید میں جشن وتفریح کا جو پہلو ہے اس کے لیے یہی زیادہ مناسب ہے کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے، (۳) امیر کی جان کی حفاظت، جب یہ معلوم نہ ہوگا کہ امیر کس راستے سے جائے گا اور کس راستے سے لوٹے گا تو حملہ آور کہاں گھات لگائے گا، (۴) بھیڑ سے بچاؤ، کیوں کہ لوگ امراء کو دیکھنے کا غیر معمولی جذبہ رکھتے ہیں، پس جس راستے سے امیر عیدگاہ گیا ہے اگر وہ اسی راستے سے واپس لوٹے گا تو اس کو دیکھنے کے لیے راستے میں ازدحام ہوجائے گا، اس لیے خصوصا امراء کو آنے جانے میں الگ راستہ اختیار کرنا چاہئے، تاکہ اس کی جان بھی سلامت رہے، اور راستے میں بھیڑ بھی نہ ہو، مگر ظاہر ہے کہ دوسری دو حکمتیں امراء کے ساتھ خاص ہوگی۔ واللہ اعلم۔(معارف الحدیث ۳/ ۴۰۷۔ تحفۃ الالمعی ۲/ ۴۱۸)

اور بھی بعض سنتیں فقہاء نے بیان کی ہیں یہاں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عیدین کے مقصد کو سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی نیز عیدین کے سنن ومستحبات کی بجا آوری کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین یارب العلمین۔

صدقۂ فطر: فضائل ومسائل

محمد شاکر عمیر معروفی قاسمی مظاہری
احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڑھ

روزہ دار چاہے جس قدر بھی اہتمام کرلے روزہ کے دوران اس سے کچھ نہ کچھ کوتاہی وکمی اور بھول چوک ہو ہی جاتی ہے، کھانے پینے اور روزہ توڑنے والی باتوں سے بچنا تو آسان ہوتا ہے؛ لیکن لغو وبے کار کلام، فضول مصروفیات اور نامناسب گفتگو سے مکمل احتراز نہیں ہو پاتا، الغرض کوئی نہ کوئی خطا دانستہ یا نادانستہ طور پر سرزد ہو ہی جاتی ہے؛ اس لئے اس طرح کی کوتاہیوں کی تلافی کے لئے شریعت نے رمضان المبارک کے ختم پر صدقۂ فطر کے نام سے گویا کہ روزہ کی زکوٰۃ الگ سے واجب قرار دی ہے؛ تاکہ ان کوتاہیوں کی تلافی کا سامان ہوجائے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر طهرةً للصائم من اللغو والرفث وطعمةً للمساكين، من أداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة، ومن أداها بعد الصلاة فهي صدقة من الصدقات۔ (ابوداود، ابن ماجہ، المستدرک للحاکم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر روزہ داروں کو بے کار اور بے ہودہ باتوں سے پاکیزگی اور مسکینوں کو کھلانے (یعنی ان کی مدد وغیرہ) کے لئے مقرر فرمایا ہے، جو شخص اسے عید کی نماز سے پہلے ادا کرے، تو یہ مقبول صدقۂ فطر ہے اور جو اسے نماز کے بعد ادا کرے، تو یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے (یعنی عید کی نماز سے پہلے ادا کئے گئے صدقہ کے برابر فضیلت نہیں رکھتا)۔

عن جرير رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صوم شهر

رمضان معلق بين السماء والأرض ولا يرفع إلا بزكاة الفطر۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے روزے آسمان وزمین کے درمیان معلق (لٹکے) رہتے ہیں جنھیں (اللہ کی طرف) صدقۂ فطر کے بغیر نہیں اٹھایا جاتا۔

علامہ عبد الرؤف المناویؒ اس حدیث کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں کہ صدقۂ فطر ادا نہ کرنے کی وجہ سے روزے یا تو بالکلیہ ہی قبول نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث کے الفاظ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے، یا یہ مراد ہے کہ صدقۂ فطر ادا کیے بغیر روزوں کا کامل ثواب نہیں ملتا۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر وقال: أغنوهم في هذا اليوم۔ (سنن الدارقطنی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو فرض (واجب) قرار دیا اور فرمایا کہ غریبوں کو اس دن غنی و بے نیاز کردو، (یعنی اس دن مسکینوں اور غریبوں پر اتنا خرچ کرو اور ان کی اتنی معاونت کرو کہ وہ اس دن سوال سے بے نیاز ہو جائیں)۔

عن وكيع بن الجراح رضي الله عنه قال: زكاة الفطر لشهر رمضان كسجدتي السهو للصلاة، تجبر نقصان الصوم كما يجبر السجود نقصان الصلاة۔ (صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی)

حضرت وکیع بن الجراحؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کے لیے صدقۂ فطر اسی طرح ہے جیسے نماز کے لیے سجدۂ سہو، اس سے بھی روزہ کی کمی و کوتاہی کی تلافی ہوتی ہے جس طرح سجدۂ سہو سے نماز کی کمی و کوتاہی کی تلافی ہوتی ہے۔

حضرات علمائے کرامؒ فرماتے ہیں: **وفي إخراجها قبول الصوم، والنجاح، والفلاح، والنجاة من سكرات الموت، وعذاب القبر** (طحطاوی علی مراقی الفلاح)

صدقۂ فطر کی ادائیگی سے روزے قبول ہوتے ہیں اور کامیابی و کامرانی حاصل ہوتی

ہے اور موت کی سختی اور عذابِ قبر سے نجات نصیب ہوتی ہے۔

صدقۂ فطر کن پر واجب ہے؟

جس شخص میں تین شرطیں پائی جائیں اس پر صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے:

(۱) مسلمان ہو، کافر پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ (۲) آزاد ہو، غلام پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ (۳) اپنے قرضے اور اصل ضروریات اور اہل وعیال کی ضروریات کے علاوہ نصاب کا مالک ہو؛ لہذا اس شخص پر جو قرض اور حوائج اصلیہ سے زائد نصاب کا مالک نہ ہو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے۔

مندرجہ ذیل چیزیں حوائج اصلیہ میں داخل ہیں (۱) اس کا گھر (۲) گھر کے سازوسامان (۳) استعمال اور پہننے کے کپڑے (۴) اس کی سواری، جیسے آج کل کے زمانہ میں گاڑی وغیرہ (۵) وہ سازوسامان جس سے وہ اپنے حصولِ معاش میں مدد لیتا ہے، وغیرہ۔

واضح ہو کہ جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر صدقۂ فطر بھی واجب ہے؛ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب میں سونا، چاندی، نقدی یا مالِ تجارت کا ہونا ہی ضروری ہے، جب کہ صدقۂ فطر میں ان چار مالوں کے علاوہ بھی ہر قسم کا مال نصاب میں شامل ہوتا ہے؛ البتہ ایک چیز دونوں نصابوں میں مشترک ہے کہ روزمرہ کی ضرورتوں سے زائد ہو اور قرضے سے بچا ہوا ہو۔ (مجمع الأنہر)

چنانچہ اگر کسی شخص کے پاس روزمرہ کے استعمال کے کپڑوں کے علاوہ اور کچھ کپڑے بھی رکھے ہوں، یا ضرورت سے زائد تانبے، اسٹیل، چینی وغیرہ کے برتن، ٹی وی، وی سی آر، ڈش، انٹینا، یا اسی طرح تزئین وآرائش کا وہ سامان جو استعمال نہیں کیا جاتا وہ بھی نصاب میں شامل کیا جائے گا، اب اگر ان تمام چیزوں کی قیمت نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو جاتی ہے، تو اس پر زکوٰۃ تو فرض نہیں ہوگی؛ لیکن صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ (تبیین الحقائق)

صدقۂ فطر کے وجوب کا وقت: صدقۂ فطر، عید کے دن صبح صادق طلوع ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے، پس جو شخص اس سے پہلے مر جائے اس پر واجب نہ ہوگا، اور جو شخص اس دن طلوع

فجر کے بعد مرے تو اس پر واجب ہوگا، جو شخص اس سے پہلے پیدا ہوا یا کافر تھا اور مسلمان ہو گیا اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے اور اگر اس کے بعد پیدا ہوا ہو، یا مسلمان ہوا ہو، تو اس پر واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ وجوب کے وقت وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ (عالم گیری)

صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کے درمیان فرق: صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کے وجوب میں قدرے فرق ہے، زکوٰۃ میں مالِ نامی ہونا ضروری ہے، جب کہ صدقۂ فطر میں مالِ نامی (بڑھنے والا مال) ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کا وجوب: سال گزرنے کے بعد ہوتا ہے اور صدقۂ فطر فوراً واجب ہوجاتا ہے، اس میں سال کا گزرنا شرط نہیں ہے، وغیرہ۔ (مراقی الفلاح)

صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے مال پر سال کا گزرنا، مال کا تجارتی ہونا، صاحبِ مال کا عاقل و بالغ ہونا شرط نہیں ہے، نابالغ بچوں کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری ہے۔ (مراقی الفلاح)

صدقۂ فطر کی شرعی مقدار کیا ہے؟ وہ چیزیں جن کا صدقۂ فطر کے حوالہ سے نصوص میں ذکر آیا ہے چار قسم کی چیزیں ہیں: (۱) گیہوں (۲) جو (۳) کھجور (۴) کشمش۔

ایک فرد کی طرف سے گیہوں، یا آٹا، یا اس کے ستو سے آدھا صاع، جو کہ پونے دو سیر بنتا ہے، اور باقی تینوں میں ایک صاع، جو کہ ساڑھے تین سیر بنتا ہے، یا بعینہ یہی چیزیں دے دے، جیسا کہ دیہات وغیرہ میں یہ چیزیں بآسانی دستیاب ہوتی ہیں اور اگر یہ چیزیں موجود نہ ہوں جیسا کہ شہر میں تو ان کی قیمت ادا کردے، نیز آج کل لوگوں نے یہ رواج اپنا لیا ہے کہ صرف گیہوں سے صدقۂ فطر ادا کرتے ہیں کہ اس کی قیمت کم ہوتی ہے، اس میں حرج نہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ مالدار لوگ کھجور اور کشمش وغیرہ کی قیمت سے صدقۂ فطر ادا کیا کریں؛ تاکہ فقراء کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو۔

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی ''ایضاح المسائل'' میں رقمطراز ہیں کہ صدقۂ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے، اس کا وزن تولہ کے حساب سے ۱۳۵ تولہ ہے اور بارہ ماشہ کا ایک تولہ گیارہ گرام ۶۶۴ ملی گرام کا ہوتا ہے؛ لہٰذا موجودہ اوزان کے اعتبار سے نصف صاع کا وزن ڈیڑھ کلو

۴۷ گرام ۶۴۰ ملی گرام ہوگا اور یہی صدقۂ فطر کی حقیقی مقدار ہے۔(ایضاح المسائل ص ۹۸)

صدقۂ فطر کس کی طرف سے دینا واجب ہے؟ صدقۂ فطر واجب ہونے کا سبب خود اس کی ذات اور وہ لوگ ہیں جن کا نان نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور وہ ان پر کامل ولایت رکھتا ہے، پس صدقۂ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے اور اس کے نابالغ بچوں اور بچیوں کی طرف سے بھی اس پر واجب ہے لیکن اگر نابالغ بچہ خود مالدار ہو تو اس کے مال میں سے صدقۂ فطر واجب ہوگا، کم عقل دیوانہ اور مجنون کا بھی وہی حکم ہے جو نابالغ بچے کا ہے، یعنی اس کی طرف سے باپ ادا کرے، اسی طرح والدین میں سے اگر کوئی فقیر ہو، یا دماغی توازن برقرار نہ ہو تو اس کا صدقۂ فطر اولاد پر واجب ہوگا۔(مستفاد از شامی، وعالم گیری)

کن کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا جائز ہے؟ عاقل بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا باپ پر ضروری نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ بچے باپ کی پرورش میں رہتے ہوں اور باپ ان کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کردے تو درست ہوجائے گا، اسی طرح بیوی کا صدقۂ فطر شوہر پر واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کی طرف سے ادا کردے، تو ادا ہوجائے گا، خواہ بیوی سے اجازت لی ہو یا نہ لی ہو۔(الدر المختار)

مالدار عورت پر اپنا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے، لیکن اس پر کسی اور کی طرف سے واجب نہیں ہے، نہ بچوں کی طرف سے، نہ شوہر کی طرف سے، نہ ماں باپ کی طرف سے۔(عالم گیری)

صدقۂ فطر کے مصارف: صدقۂ فطر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں اور اس کی ادائیگی کے لیے اس کی نیت کرنا اور فقیر کو اس کا مالک بنادینا (اس طور پر کہ وہ اپنی مرضی سے اسے خرچ کرسکے) ضروری ہے۔(شامی)

صاحبِ وسعت مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ صدقۂ فطر بر وقت ادا کرنے کا اہتمام کریں، جیسا کہ حدیث بالا میں فرمایا گیا ہے کہ نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا ثواب زیادہ ہے، اسی بنا پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید سے دو تین دن پہلے ہی

صدقۃ الفطر ادا کر دیا کرتے تھے (ابوداؤد) اور یہ مناسب بھی ہے تاکہ مستحق حضرات پہلے ہی سے عید کی تیاری کر سکیں اور عید کی خوشی میں وہ بھی شریک ہو سکیں۔

مالدار لوگوں سے مخلصانہ اپیل:

آج کل آدھے صاع گیہوں کی قیمت صاحبِ ثروت اور مالدار حضرات کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی؛ اس لئے ایسے لکھ پتی اور کروڑ پتی سرمایہ دار حضرات کے لیے مناسب ہے کہ وہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لئے آدھا صاع گیہوں کی قیمت لگانے کے بجائے ساڑھے تین کلو کھجور یا کشمش کا حساب لگا کر اس کی قیمت مستحق کو دیں، اس میں ان کو ثواب زیادہ ملے گا اور امت کے فقراء کا نفع زیادہ ہوگا، روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک صاع کھجور یا آدھا صاع گیہوں کا صدقہ ضروری قرار دیا ہے، جو ہر آزاد، غلام، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے پر لازم ہے؛ لیکن جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ وہاں تشریف لائے اور یہ دیکھا کہ گیہوں کا بازاری بھاؤ سستا ہے، تو آپؓ نے ارشاد فرمایا: **أوسع الله عليكم من كل شيء فلو جعلتموه صاعًا من كل شيء**، یعنی اللہ تعالی نے تمہارے اوپر وسعت فرمائی ہے، اس لئے اگر تم صدقۂ فطر ہر چیز کا ایک صاع کے حساب سے نکال لو، تو زیادہ بہتر ہے۔ (ابوداؤ، نسائی)

دینداری کا معیار

حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ کسی کی دین داری کے لئے اس کے نماز روزہ کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ جب وہ بات کرے تو سچ بولے، جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو ادا کر دے اور گناہ کا موقع ہوتے ہوئے بھی گناہ سے بچے (بیہقی فی شعب الایمان ۴/۲۳۰)

تعارف وتبصرہ

مفتی شعیب احمد بستوی
معین مفتی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

نام کتاب	مکتوبات مولانا فاروق احمد صاحب مظاہری
صفحات	۱۶۶
ناشر	مدرسہ عربیہ اصلاح المسلمین جمد اشاہی ضلع بستی یوپی۔ فون ۹۸۳۹۹۵۸۶۲۶

اصلاح باطن، تزکیۂ نفس، روحانی علاج انتہائی اہم اور ضروری ہے اور بزرگوں کے یہاں اس کے طریقے مختلف رہے ہیں مگر حضرت حکیم الامتؒ کا طریقۂ اصلاح وتربیت بالکل جداگانہ ہوتا تھا، مرض کی تشخیص خود مریض کے ذمہ ہوتی تھی، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اپنے امراض کی تشخیص وہی شخص کر پائے گا جو حقیقت میں اصلاح کا طالب ہوگا اور پھر ایسے ہی کی کامل اصلاح ہوگی۔

مذکورہ بالا کتاب اسی کا مجموعہ ہے جو ایک روحانی مریض نے اپنے روحانی مربیوں کی ہدایت کے مطابق اپنے روحانی امراض کی تشخیص کی ہے اور پھر ان امراض کا علاج دریافت کر کے بتائے گئے نسخۂ اکسیر کو استعمال کیا اور شفایاب ہوگیا، اور شفایاب کیوں نہ ہوتا جب طبیب ہی ایسی نابغۂ روزگار ہستیاں تھیں:

(۱) حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی

(۲) حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سابق صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور۔

حضرت مولانا فاروق احمد صاحبؒ کا تذکرہ بچپن میں میں نے اپنے والد محترم سے سنا تھا، غالباً والد صاحب کے استاذ بھی تھے، والد صاحب نے ایک واقعہ سنایا تھا کہ ایک مرتبہ مولانا فاروق صاحب اپنی کسی حقیقی بہن سے ملنے ان کے گھر گئے تو جب تک وہاں رہے نظر نیچی کئے بیٹھے رہے نظر بھر کر بہن کو نہیں دیکھا جبکہ بہن کے چہرہ کو دیکھنا شرعاً جائز ہے، مگر احتیاط وتقویٰ کہ کہیں اس میں شیطان نہ شامل ہو جائے۔

کتاب ظاہری اور باطنی ہر طرح کی خوبیوں سے مزین ہے، کتاب کے خوب تر ہونے کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ کتاب کا تعارف حضرت مولانا مفتی عتیق احمد صاحب بستوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے ہے اور تقریظ حضرت مولانا مفتی عبیداللہ اسعدی صاحب استاذ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کے قلم سے ہے، اور پیش لفظ صاحب مکتوبات کے بھتیجے حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سابق ناظم مظاہر علوم کے قلم سے ہے، لہٰذا کتاب لائق مطالعہ ہی نہیں بلکہ بعد مطالعہ سرمۂ بصیرت بنانے کے قابل ہے۔

حضرت مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ

ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمہ اللہ گرفتار ہوئے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ، اسارت کی خبر سن کر بہت غمگین ہوئے اور اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے۔حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے ہیں تو حضرت تھانوی نے فرمایا آپ مجھے اس جملے سے تسلی دینا چاہتے ہیں، کیا حضرت حسینؓ، یزید کے مقابلے میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے؟ مگر آج تک کو ن ایسا شخص ہوگا جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو۔ (شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات، ص ۳:)

حکیم الامت کی حکیمانہ باتیں

مفتی شعیب احمد صاحب بستوی شعبۂ دارالافتاء جامعہ مظاہر علوم

رعایا مطیع کب اور کس طرح ہوگی: ارشاد فرمایا کہ شاہان سلف میں جس قدر بادشاہ گذرے ہیں ان کو رعایا کے ساتھ شفقت تھی، ان کی پرورش کا خیال رکھتے تھے، اب اکثر حکومتوں کو اس کا خیال نہیں اور جب تک شفقت نہ ہو، پرورش کا خیال نہ ہو، کوئی طریقہ اور تدبیر رعایا کو مطیع بننے کی نہیں۔(ارشادات حکیم الامت ص ۱۴۴)

عالم سے اچھا جاہل: فرمایا کہ: علم کی مثال نافع اور مضر ہونے میں تلوار کی دھار کی سی ہے اس سے دوست بھی کٹتا ہے اور دشمن بھی۔ اگر تلوار چلانے والا ماہر فن نہ ہو تو کبھی اس سے اپنے ہی کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس طرح کہ مارا ہاتھ دشمن کے اور وہ خالی گیا اور لوٹ کر اپنے ہی پر پڑ گیا۔ اسی طرح علم بڑی ہی نازک چیز ہے اس میں امن بھی ہے اور خوف بھی گو غالب امن ہی ہے مگر حسن استعمال کی ضرورت ہے۔(ص ۱۴۵)

دین میں تحریف کی کوششیں: ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ یہ زمانہ نہایت ہی پرفتن ہے، دین میں تحریف کرنے والے اس زمانہ میں بکثرت پیدا ہو گئے، ملحد اور دہرئیے بھرے پڑے ہیں، اور کوئی کام تو رہا نہیں شب و روز بیٹھے ہوئے احکام اسلام میں کتر بیونت کرتے رہتے ہیں۔ احکام طب میں یا احکام تعزیرات میں انہوں نے کبھی کتر بیونت نہیں کی، اور اس دین کے تو حق تعالیٰ محافظ ہیں ورنہ یہ تو ہر وقت اس کی بیخ و بنیاد ہی اکھیڑنے کی فکر میں لگے ہیں۔ خیر یہ بھی زور لگا لیں ان سے پہلوں نے بھی بہت زور لگا لیے ہیں، مگر اسلام اور احکام اسلام کی بقاو شان تو نرالی ہے۔(ص ۱۵۱)

ضروری اعلان

وقت کی اہم ضرورت کے پیش نظر داخلہ کے خواہش مند طلبہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ماہِ شوال میں جدید طلبہ کے لیے سابق مدرسہ کی تصدیق اور امتحان سالانہ میں حاصل کردہ نمبرات کی مارک شیٹ امتحان داخلہ کے لئے شرط ہے۔ اس کے بغیر امتحان داخلہ نہیں ہوگا۔ نیز تمام طلبہ کے لئے آدھار کارڈ ساتھ لانا ضروری ہے۔

نیز سرحدی علاقوں (جموں کشمیر، ویسٹ بنگال، منی پور، تری پورہ، آسام وغیرہ اوران کے آس پاس) کے طلبہ وطنی تصدیق نامہ (ایفیڈیوٹ) AFFIDAVIT بھی ضرور ساتھ لائیں اس کے بغیر داخلہ کی تکمیل نہیں ہوگی۔

اس سلسلہ میں کسی کو مہلت نہیں دی جائے گی جو طلبہ مطلوبہ کاغذات حاصل نہ کرسکیں وہ مدرسہ میں آکر اپنا اور اہل مدرسہ کا قیمتی وقت ضائع نہ کریں ان کا داخلہ نہیں ہوگا۔

دفتر تعلیمات مظاہر علوم سہارنپور

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.

URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR 247001(U.P.)INDIA

PH:0132-2655542

E-Mail: jamiamazahir@gmail.com